ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ

تم کو یہ نصیحت کی جاتی ہے

چند پند

مصنّفہ

خان بہادر شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ محمد نذیر احمد مرحوم و مغفور

ایل ایل ڈی۔ ڈی او ایل

سابق ڈپٹی کلکٹر برٹش گورنمنٹ و ممبر بورڈ آف ریونیو سرکار عالی نظام

مصنّف ممدوح کی نظر ثانی و اصلاح و ترمیم و اضافہ حواشی مفیدہ کے بعد

بسعی و اہتمام منذر احمد نبیرہ جناب معز

باہتمام لالہ ٹھاکر داس اینڈ سنز

دِلّی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپی

۱۹۲۹ء
۱۳۴۷ھ

طبع پنجم دو ہزار جلد (تمامی حقوق بذریعہ رجسٹری منذر احمد کے نام محفوظ ہیں) قیمت ۸/
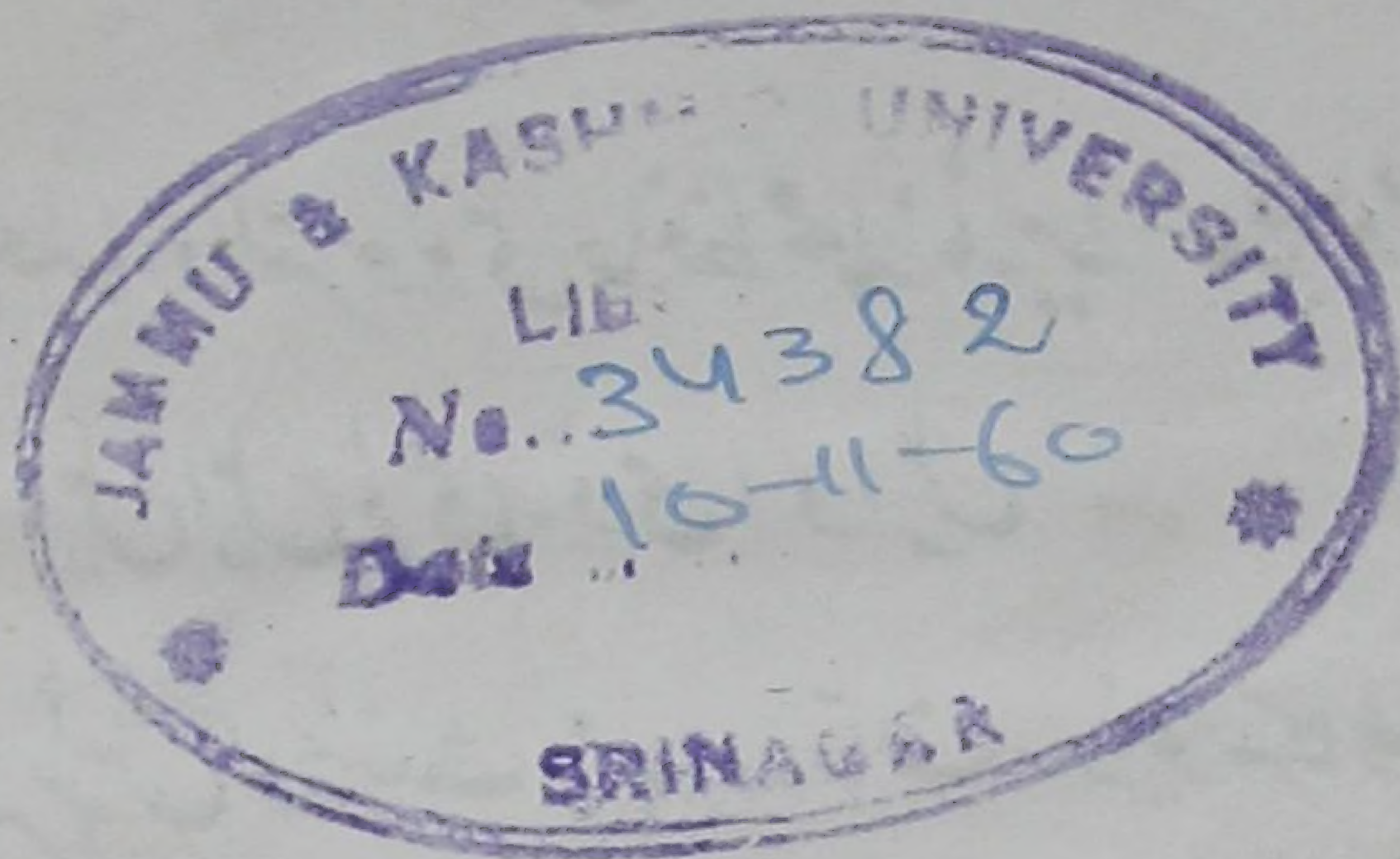
CHECKED

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس خدا نے ہم کو پیدا کیا، دیکھنے کو آنکھ، سننے کو کان، سونگھنے کو ناک، بولنے کو زبان اور برا بھلا پہچاننے کو عقل دی۔ کس کا مونھ ہی کہ اس کی تعریف کر سکے اور جس نبی[1] نے ہم کو نجات[2] کی راہ، دنیا کی بہتری، عاقبت[3] کی درستی، خدا کی پہچان سکھائی، کس کی زبان ہی کہ ان کی شکر گزاری[4] کا دم[5] بھر سکے؟

اس کتاب میں بچوں کے واسطے چند مفید[6] مضمون جمع کر کے اس کا نام چند پند رکھا گیا ہی۔

صفائی یعنی ستھراپن

بہت ضرور ہی کہ تم اپنے تئیں پاکیزہ اور صاف رکھو۔ میلا کچیلا رہنا نہایت بری بات ہی۔ صاف رہنے سے بیماری پیدا ہوتی ہی۔ لوگ گھن کیا کرتے ہیں۔ کوئی پاس آنے یا بیٹھنے کا روادار نہیں ہوتا۔ تمام دنیا کا قاعدہ ہی کہ اپنے تئیں ہر ایک شخص اپنے مذہب یا قوم کے دستور کے مطابق پاکیزہ رکھتا ہی۔ ہندو گنگا جمنا[7] یا کسی دریا یا تالاب یا ندی یا کوئے کے پانی سے ہر روز نہاتے ہیں۔ اہل اسلام ہر روز نہیں نہاتے لیکن پانچوں وقت وضو کرتے ہیں

---

[1] یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم [2] چھٹکارا۔ [3] دوسری دنیا جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہی۔ [4] شکریہ ادا کرنا۔ [5] یعنی دعوے کر سکے۔ [6] فائدہ مند [7] یہ دونوں ہندوستان میں بڑے مشہور دریا ہیں ہمالیہ پہاڑ سے نکلے ہیں الہ آباد میں یہ دونوں مل گئے ہیں۔

اور جمعہ کے جمعہ غسل[1]۔ تم یہ بات سن کر تعجب[2] کرو گے کہ بعض لڑکے مونھ دھونے سے ڈرتے ہیں۔ اُن کا مونھ ناصاف اور اُن کا چہرہ بدرونق رہتا ہو۔ میل کی تہیں اُن کے جسم پر جمی ہوتی ہیں۔ کیسے گندے لڑکے یہ ہوتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی گود میں لیتا ہو نہ اپنے پاس آنے دیتا نہ پیار کرتا۔ جاڑوں میں ٹھنڈے پانی کے استعمال سے اگر تکلیف ہو تو تازہ یا گرم پانی لو لیکن بلاناغہ مونھ کو دھو کر خوب صاف کرو اور اپنے جسم پر کسی طرح کی گندگی مت رہنے دو۔ خاک اور مٹی سے کھیلنا بڑے عیب کی بات ہو۔ اس سے کپڑے اور بدن دونوں کا نقصان ہو۔ اسی طرح ننگے پاؤں نہیں رہنا چاہیے۔ اگر تم ننگے پاؤں پھرو گے شاید کانٹا یا شیشے کا ٹکڑا پاؤں میں لگ جائے اس سے تم کو تکلیف ہوگی۔ لنگڑاؤ گے لوگ ہنسیں گے اور مدت تک تم کو دوا لگانی پڑے گی۔

لڑکپن میں رطوبت[3] کا غلبہ[4] ہوتا ہو۔ اس واسطے ناک اکثر بہا کرتی ہو۔ جس لڑکے میں رطوبت ہو ہمیشہ اُس کو ایک رومال اپنی جیب میں رکھنا چاہیے۔ جب ناک صاف کرنے کی ضرورت ہو علیحدہ کونے میں ناک صاف کرنی چاہیے۔ یا اگر کم ہو تو رومال میں۔ پھر رومال کو ہر تیسرے روز بدل ڈالنا مناسب ہو۔ لیکن ناک کو دامن یا آستین سے ہرگز نہیں پونچھنا چاہیے۔ آٹھویں دن حجامت بنوانی چاہیے۔ اگر بال زیادہ بڑھ جائیں گے تو اُن کی جڑوں میں میل جمع ہوگا اور جوئیں پیدا ہوں گی۔ بالوں کا بڑھانا لڑکوں کو نہایت زبون[5] ہو۔ جو لڑکے بال بڑھاتے ہیں لڑکیوں کی طرح چوٹی کنگھی اور تیل میں مصروف رہتے ہیں وہ آخرکار بدوضع[6] اور بداطوار ہو جاتے ہیں۔ حجامت کے ساتھ ناخن بھی ترشوا ڈالنے چاہئیں۔ ان میں بھی میل بھرا رہتا ہو اور نیلے یا سیاہ بدرنگ ہونے سے لوگوں کو

---

[1] نہانا۔ [2] اچنبھا۔ حیرت [3] تری۔ نمی [4] زیادتی۔ [5] بُرا۔ [6] بدچلن جس کے ڈھنگ بُرے ہوں۔

نفرت پیدا ہوتی ہی۔ اگر خاک میں نہ کھیلو اور ننگے پاؤں زمین پر نہ پھرو اور خاک میں نہ بیٹھو تو سفید کپڑے ہر ہفتے جاڑے میں، اور ہر چوتھے دن گرمی میں بدلا کرو ورنہ بدن کے عرق[1] اور میل سے کپڑوں میں بُو ہو جاتی ہی اور اس طرح کی بو بیماری پیدا کرتی ہی۔ اور زیادہ میلا پہنے سے کپڑا بھی گلتا اور سڑتا ہی۔ جاڑے میں کپڑے البتہ دیر تک نہیں بدلے جاتے۔ تاہم آٹھویں دن ایک کپڑا جو پہن چکے چھوڑ دو کہ وہ ایک ہفتہ تک ہر روز دھوپ میں خشک[2] کیا جائے۔ اور اسی طرح ردوبدل[3] تمام موسم میں کرتے رہو۔ کپڑا استعمال سے کم بلکہ بے احتیاطی[4] سے زیادہ اور جلد خراب ہو جاتا ہی۔ کپڑے کو گرد اور خاک اور بدن کی نجاست[5]، ناک وغیرہ سے ہمیشہ بچانا چاہیئے۔ کھانے کے وقت لڑکے اکثر کپڑے خراب کر لیا کرتے ہیں۔ کہیں شوربا لگا لیتے ہیں کہیں انگلیاں پونچھا کرتے ہیں۔ یہ سب بے تمیزی کی بات ہی۔

ہمیشہ دسترخوان پر کپڑے سمیٹ کر بیٹھنا چاہیئے۔ عجیب عجیب طرح کی بدتمیزیاں لڑکوں میں ہوتی ہیں۔ کوئی آستین چبایا کرتا ہی، کوئی بند، کوئی دامن۔ ہم کو امید ہی کہ تم ایسی خراب عادت ہرگز اختیار نہ کرو گے۔ بعض ندیدے لڑکے کھانے کی جو چیز اُن کو دی جائے دامن یا ٹوپی میں رکھ لیا کرتے ہیں۔ اس سے ان کی حرص کا اندازہ معلوم ہوتا ہی۔ کپڑا پہننے کے واسطے ہی نہ کھانے کی چیزیں بھرنے اور رکھنے کے لئے۔ بہتر ہوتا کہ ایسے لڑکے بجائے ٹوپی کے دیگچی اوڑھتے اور بجائے انگرکھے کے دسترخوان کا کرتا اُن کو بنا دیا جاتا۔ کھانے کے بعد دانتوں کی جڑوں میں کھانے کے ٹکڑے اٹک جاتے ہیں اور یہ چیزیں موُنھ میں رہ کر سڑ جاتی ہیں۔ اس کے واسطے ہمیشہ خلال[6] کرنا اور کُلّی کے

---

[1] پسینہ۔ [2] سکھایا جاے۔ [3] لوٹ پوٹ۔ [4] بے خبری [5] گندگی۔ [6] تنکا جس سے دانت کریدتے ہیں ۱۲

وقت اُنگلی سے دانتوں کو ملنا اور موٹھ دہونے کے وقت منجن یا کوئلہ یا مسواک سے نرمی اور آہستگی کے ساتھ دانتوں کو خوب صاف کرنا چاہیئے۔ جاڑے میں آٹھویں دن اور گرمی میں ہر روز اور برسات میں بھی جب کہ ہوا بند ہو غسل کرنا چاہیئے۔ لڑکے آب سرد سے غسل نہ کریں لیکن جوان آدمی کو بہ نسبت آب گرم کے آب سرد سے غسل کرنا زیادہ مفید ہے۔ غسل سرد پانی سے ہو خواہ آب گرم سے بھوک کے وقت اور شکم سیر[1] ہونے کی حالت میں نہیں کرنا چاہیئے۔ اور جب کہ تم موسم گرما میں دھوپ میں پھرتے ہو تب بھی غسل مت کرو جب تک خوب ٹھنڈے نہ ہو لو۔ اگر کسی طرح کی علالت[2] ہو زکام یا تپ تو ایسی حالت میں غسل ممنوع[3] ہے۔ غسل ہمیشہ تنہائی میں کرنا چاہیئے۔ ہر چند لوگ بسبب کم عمری کے تم کو برہنہ[4] ہونے کی اجازت دیں لیکن ننگا ہونا نہایت بے حیائی کی بات ہے۔ اور کسی طرح اِس کو جائز نہیں رکھنا چاہیئے۔

سونا

سونا مثل کھانے اور پینے کے زندگی کے واسطے ضرور ہے۔ لیکن جس طرح بہت کھانے سے بدہضمی اور بعض وقت ہیضہ ہوتا ہے۔ بہت سونے سے ذہن کُند[5] اور طبیعت غبی ہو جاتی ہے۔ عقلمندوں نے سونے کا وقت اس اندازے پر مقرر کیا ہے کہ دن رات میں آٹھ گھنٹے سے زیادہ نہ ہو۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دن رات مل کر چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے اگر سونا چھ گھنٹے سے کم ہو تو مرض ہے۔ پس چھ گھڑی رات گئے سونا چاہیئے اور علی الصباح[6] جاگنا ضرور ہے۔ سونا کروٹ کے بل چاہیئے۔ چت اور پیٹ ہو کر سونا نامناسب بات ہے۔ ہر چند

---

[1] پیٹ بھرے۔ [2] بیماری [3] منع۔ [4] ننگا۔ [5] گٹھل۔ [6] صبح سویرے۔

سونے میں آدمی کو خبر نہیں ہوتی۔ لیکن مقدور بھر کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ عادتِ بد ترک[1] ہو۔ سونے میں تکیہ اونچا رکھنے یا کم کھانے سے عجب نہیں کہ یہ عیب خود بخود جاتا رہے۔

سوتے میں سر شمال کی طرف رکھنا چاہیئے۔

واضح ہو کہ چار طرف ہیں۔ اوّل مشرق یعنی پورب جدہر سے آفتاب[2] نکلتا ہے۔ دوسرا مغرب یعنی پچھم یا پچھاں جس طرف آفتاب ڈوبتا ہے۔ پورب کی طرف مونھ کر کے کھڑے ہو تو داہنے ہاتھ کی طرف جنوب یعنی دکھن اور بائیں ہاتھ کی طرف شمال یعنی اُتر[3] کہلاتا ہے۔

دس برس کی عمر کے بعد لڑکوں کو الگ چارپائی پر سونا چاہیئے کسی مرد یا عورت کے ساتھ سونا گو وہ مرد اپنا باپ اور گو وہ عورت اپنی ماں ہو نہیں چاہیئے۔ گرمی میں سوتے وقت کپڑا اُتار ڈالنا مضائقہ[4] نہیں لیکن پائجامہ کسی حالت میں نہیں اُتارنا چاہیئے۔ پائجامے کے عوض لُنگی باندہنا بھی مناسب نہیں کیوں کہ سوتے میں اکثر بے خبری کی حالت میں لُنگی کھُل جانے سے بے پردگی ہوتی ہے۔ سوتے میں اُٹھ کر پانی پینا بہت ضرر[5] کرتا ہے۔ اس واسطے جب سونے کا قصد[6] کرو تو پانی تھوڑی سی پیاس بھی ہو تو پی کر سویا کرو۔ بہت ضرور ہے کہ سونے سے پہلے حوائج[7] ضروری سے قصد کر کے فراغت کر لو۔ مبادا سونے کی حالت میں تم ضبطِ حاجت پر قادر نہ رہ سکو[8]۔ جب تک زور کی نیند نہ معلوم ہو سونے کا قصد مت کرو۔ گرمی میں دری یا سوزنی اور جاڑے میں روئی دار توشک بچھانی چاہیئے۔ لیکن آرام کی عادت ایسی مت ڈالو کہ بے تکیے اور بچھونے کے نیند نہ آئے۔ بلکہ کبھی کبھی کھرّی چارپائی پر بے تکیے اور کبھی بے فرش بھی سو رہنا چاہیئے۔ اگر سوتے میں

---

[1] چھوٹ جائے۔ [2] سورج۔ [3] حرج۔ [4] نقصان۔ [5] ارادہ [6] پیشاب پاخانہ وغیرہ۔ [7] یعنی روک نہ سکو۔

کسی حاجتِ بشری[1] کا تقاضا معلوم ہو تو سُستی نہیں کرنی چاہیئے۔ فوراً اُٹھ کر ضرورت سے فارغ ہو لینا چاہیئے۔ ہندوستان میں دن کو سونا معمول ہی خصوصاً[2] موسمِ گرما میں لیکن دن کا سونا منع ہی سوائے اُس شخص کے جو رات کو جاگا ہو۔

دن کے سونے سے مزاج سُست اور ذہن کُند ہوتا ہی۔ اور طب کی کتابوں میں لکھا ہی کہ دن کو سونے سے رنگ کالا ہوتا ہی۔ سو کر اُٹھو تو مونھ دھو ڈالو۔ تا کہ آنکھوں کی کثافت[3] اور طبیعت کی سستی دفع ہو۔ اگر گرمی کا دن بہت بڑا ہو اور پڑھنے لکھنے کا کچھ حرج نہ ہو۔ ٹھیک دوپہر کو کبھی کبھی گھڑی دو گھڑی سو رہنا نامناسب نہیں کیوں کہ اگر تم سو نہ رہو گے تو شاید باہر گرم ہوا میں پھر کر اپنے تئیں بیمار ڈالو۔

کھانا

زندگی کا انحصار[4] کھانے پر ہی اور تم دیکھتے ہو کہ تمام دُنیا اسی فکر میں لگی رہتی ہی۔ بیشک بدون کھانے کے کوئی جاندار بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ فاقے سے کمزوری اور انجام کو ہلاکت[5] ہوتی ہی۔ لیکن یہ بات تجویز طلب ہی کہ کیا کھانا چاہیئے اور کیوں کر کھانا چاہیئے۔ ہر قسم کا کھانا جو گھر میں میسر آئے خوش دلی[6] کے ساتھ کھاؤ۔ اگر کوئی چیز گھر میں نہیں ہی تو اُس کے واسطے ضد مت کرو۔ مانگ کر کھانا بے غیرتی کی بات ہی۔ جب تک خوب زور کی بھوک نہ لگے مت کھاؤ۔ اور ہمیشہ تھوڑی بھوک باقی رکھ کر دسترخوان سے اُٹھ جانا چاہیئے۔ بہت کھانے سے بدہضمی اور پیچش اور پیٹ میں درد ہوتا ہی۔ دست آنے لگتے ہیں۔ بچّوں کو

---

[1] انسانی ضروریات جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ۔ [2] خاص کر۔ [3] میل کچیل۔ [4] یعنی زندگی کھانے پر موقوف ہی۔ [5] موت۔ [6] خوشی۔

دن رات میں چار مرتبہ کھانا چاہیئے۔ صبح اٹھ کر ناشتہ جو کچھ رات کا رکھا ہوا ہو یا عین وقت پیسہ بسر آسکے۔ پھر دوپہر سے پہلے سب لوگوں کے ساتھ معمولی دن کا کھانا۔ پھر تیسرے پہر کا ناشتہ۔ پھر بعد مغرب یا قبل مغرب رات کا کھانا۔ ان چار وقتوں کے سوائے بیچ میں کوئی چیز نہیں کھانی چاہیئے اگرچہ دل للچائے ورنہ بیماری کا خوف ہے۔ کھانا ہمیشہ دسترخوان پر سب کے ساتھ مل کر کھانا چاہیئے۔ اور جو چیز تمھارے پاس رکھ دی جائے اُس میں بحث وحجت نہیں کرنی چاہیئے اور نہ زیادہ مانگنا چاہیئے۔ کھانا داہنے ہاتھ سے کھانا چاہیئے۔ ایسی احتیاط کے ساتھ کہ دسترخوان یا فرش پر کوئی چیز نہ گرے۔ لقمہ[1] چھوٹا لینا چاہیئے اور لقمہ چباتے میں مونھ بند کر لیا کرو۔ چپڑ چپڑ کی آواز نہ نکلے۔ کھانے میں اُنگلیاں اور مونھ مت بھرو۔ اور روٹی کو ہاتھ سے توڑو۔ دانت سے مت کاٹو۔ کھانے سے پہلے ہمیشہ ہاتھ دھو لیا کرو اور کھانے کے بعد ہاتھ اور مونھ اِس طرح دھوؤ کہ زردی یا چکنائی یا کوئی اور اثر باقی نہ رہے۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ[2] اور کھانے کے بعد الحمد للہ[3] ضرور کہنا چاہیئے۔ بہت سے آدمی دنیا میں ہیں جن کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا پس جب تم کو مزے دار کھانا ملا تو خدا کا شکر کرو کہ اُس نے اپنی مہربانی سے روزی عنایت کی۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے وقت ناک صاف کر لینی چاہیئے۔ اور ہمیشہ ایک رومال جیب میں رکھنا چاہیئے اگر کھانے کے وقت مرچ کی تیزی سے ناک بہنے لگے تو بائیں ہاتھ سے اُسی رومال میں ناک صاف کر لیا کرو۔ پانی کی ضرورت ہو تو گلاس یا آبخورہ یا کٹورہ بائیں ہاتھ میں لو اور داہنے ہاتھ کا سہارا ایسے ڈھب سے لگاؤ کہ برتن میں دھبّا نہ لگے۔ کھانے کے وقت کھانسی یا چھینک آئے تو مونھ پر بایاں ہاتھ رکھ کر دسترخوان کی

---

[1] نوالہ [2] یعنی خدا کا نام لے کر شروع کیا گیا۔ [3] شکر اللہ کا۔

طرف سے مونھ پھیر کر کھانسنا اور چھینکنا چاہیئے۔ اگر مونھ سے کوئی چیز نکل کر ہاتھ میں لگ جائے تو چھپا کر رومال میں پونچھ لو۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اٹھ کر ہاتھ دھو لو اور مونھ کو صاف کر لو۔ روٹی کو بے ضرورت ٹکڑے کرنا اور توڑنا بے تمیزی ہے۔ بھری ہوئی انگلیاں روٹی یا دسترخوان سے پونچھنا نہیں چاہیئے بلکہ ایسی احتیاط سے کھاؤ کہ انگلی نہ بھرنے پائے اور اگر بھر گئی ہو تو اُس کو چاٹ لو۔ رکابی میں ایک طرف سے کھانا چاہیئے تاکہ جو بچ جائے اُس سے لوگ نفرت[1] نہ کریں۔ اگر رکابی کی سب چیز تم کھا چکے ہو تو رکابی کو پونچھ کر صاف کر دو۔ اگر کھانے میں ہچکی آئے تو پانی پینا چاہیئے گو پیاس نہ ہو۔ اور اگر اچھّو آئے تو اوپر دیکھنا چاہیئے۔ دسترخوان پر اور لوگوں کی رکابیوں پر نظر کرنا ناپسندیدہ بات ہے۔ اگر دسترخوان پر کئی قسم کا کھانا ہو تو نمکین سے شروع کرنا چاہیئے اور آخر میں بھی مونھ نمکین کرنا چاہیئے۔ اگر اچار بھی ہو تو کھانے سے پہلے اچار کا چکھ لینا مفید ہے۔ اگر تم کو بوجہ علالت یا بوجہ ثقالت[2] کسی کھانے سے منع کیا جائے تو اُس کے کھانے کا قصد مت کرو۔ کھانے کے بعد مونھ صاف کرنے کی غرض سے پان کھانے کا مضائقہ نہیں لیکن پان کی عادت ڈالنی بُری بات ہے۔ پانی کھڑے ہو کر کسی حالت میں نہیں پینا چاہیئے۔ اور ہمیشہ دو دم[3] بیچ میں لے کر پینا مناسب ہے۔ کھانے میں بہت پانی پینا نقصان کرتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے پانی میں کمی کرو۔ اگر کوئی غیر آدمی کھانا کھاتا ہو اور تم اُس کے پاس جا نکلو تو اُس کے پاس کھڑا ہونا اور بیٹھنا نہ چاہیئے۔ اور اگر وہ تم کو کھانے میں شریک کرنا چاہے اور کھانے کے لیئے کہے تو عذر[4] کرو۔ بازار کی مٹھائی وغیرہ کبھی کبھی کھانے کا مضائقہ نہیں لیکن عادت کرنا اور چاٹ لگانا سخت عیب کی بات ہے۔ لڑکوں کو عموماً مٹھائی کی طرف

---

[1] گھن نہ کھائیں۔ [2] گرانی۔ بوجھ۔ بھاری پن۔ [3] سانس۔ [4] حیلہ بہانہ۔

بہت رغبت ہوتی ہے۔ لیکن کثرت سے مٹھائی کھانے میں دودھ کے دانتوں کو نہایت ضرر[1] ہے۔
کیڑا لگ جاتا ہے اور مسوڑے کمزور ہو جاتے ہیں اگر اتفاق سے کھانے میں دیر ہو اور تم کو
بھوک لگی ہو تو گھبرانا اور بے قرار ہونا نہیں چاہیئے۔ اگر کھانے میں کسی غریب کا بچہ آ کھڑا ہو
اور تم کو دیکھنے لگے اور خوف یا شرم کے سبب نہ مانگ سکے تو تم خود اُس کو اپنے کھانے میں
سے دو اُس میں دریغ کرنا نہ چاہیئے۔ یا اگر کھانے میں کسی فقیر کی صدا تمھارے کان میں پڑ جائے
تو ضرور اُس کو بھیج دینا چاہیئے۔ بعض اوقات لوگ نیّت کا امتحان[2] کرنے کو بھی کھانا یا کپڑا
یا اور کوئی چیز تم سے مانگیں تو بلا تامّل خوشی سے دینا چاہیئے۔ اگر اتفاق سے کسی کے گھر
مہمان جاؤ تو گو تم کو بھوک لگے کھانا مت طلب کرو جب تک وہ لوگ خود کھانا تمھارے
روبرو[3] نہ حاضر کریں۔ اگر اور مہمان یا اُن کے بچّے کھانا کھاتے ہوں تو اُن کے پاس بھی
مت جاؤ ورنہ لوگ جانیں گے کہ یہ لڑکا کھانے کے لالچ سے یہاں کھڑا ہے۔

لباس یعنی کپڑے

شروع میں کپڑا اِس غرض سے ایجاد ہوا تھا کہ سردی اور دھوپ کی تکلیف بدن
کو ایذا[4] نہ دے اور جتنا بدن کا چھپانا ضرور ہے وہ لوگوں کی نظر سے پوشیدہ[5] رہے۔
مردوں کو ناف کے نیچے گھٹنوں تک ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہیئے۔ اتنے بدن میں
سے کسی جگہ کا کھولنا بے حیائی[6] کی بات ہے۔ اور جن لوگوں کو خدا نے بہت حیا عنایت
فرمائی ہے وہ اور بدن بھی نہیں کھولتے۔ اس گرم ملک میں ہر وقت تمام بدن کا پوشیدہ
رکھنا مشکل ہوتا ہے اس واسطے لوگ گھروں میں سر کھلے ننگے بدن بھی رہتے ہیں۔ لیکن گھر کے

[1] نقصان۔ [2] جانچ پڑتال۔ [3] سامنے [4] تکلیف۔ دُکھ۔ [5] چھپا ہوا۔ [6] بے شرمی۔

باہر غریب سے غریب بھی تمام بدن کو ڈھک کر نکلتا ہے۔

ہر چند کپڑا پردہ پوشی[1] اور سردی گرمی کے بچاؤ کے واسطے ایجاد ہوا تھا۔ لیکن اب لوگوں نے اس کو زینت اور بناؤ سنگھار اور نمود کی چیز بنا لیا ہے۔ شال، دوشالے، بانات، کمخواب، اطلس، تن زیب، جامدانی، کامدانی سے لے کر ململ، دو لڑا، دوسوتی، گاڑھا، گزی، دھوتر تک صدہا قسم کے کپڑے دنیا میں ہیں اور جس کو جو میسر آتا ہے پہنتا ہے۔ لیکن ہر آدمی چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اچھے سے اچھا کپڑا پہنے خصوصاً لڑکوں کو اس کا بہت خیال ہوتا ہے۔ بے شک اگر خدا نے مقدور دیا ہے تو اچھا کپڑا پہننا چاہیے۔ لیکن نہ اتنا بیش[2] قیمت کہ آدمی کو اس کے سبب سے کھانے پینے اور دوسری ضرورت کی چیزوں میں کمی کرنی پڑے یا ہمیشہ اسی طرح کا کپڑا نہ پہن سکے۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ آج لباس فاخرہ[3] پہنے پھرتے ہیں اور کل اتفاق سے مقدور نہ رہا تو گاڑھا بھی میسر نہیں۔ پس شروع سے سلامت[4] روی کی وضع اختیار کی جائے جس کو انسان زندگی میں نباہ دے سکے۔ کپڑوں کی خراش[5] تراش پر نظر کی جائے تو صدہا وضع کے کپڑے ہیں۔ کرتہ، عبا، قبا، صدری، نیم آستین، مرزائی، انگرکھا، شرعی پائجامہ، تنگ موری کا پائجامہ، گھٹنا وغیرہ۔ ایک ٹوپی ہے تو وہ بھی کئی وضع کی ہے۔ دو پلی، چار گوشہ، مغلئی، چین دار، برجی، ان تمام وضعوں میں بھلے مانسوں کی وضع اختیار کرنے کے لائق ہے۔ نیچی چولی کا انگرکھا جس کا پردہ نہ بالکل سپید یا نہ گول۔ اونچی چولی جس کے بند کوڑی پر باندھے جائیں اور گول پردہ اکثر بازاری لوگوں کی وضع ہے۔ پائجامہ شرعی ہو یعنی کھلے پائنچوں کا یا تنگ موری کا اور ایسا گھیر دار ہو کہ انگرکھا اگر نہ بھی ہو تو

---

[1] عیب کا ڈھانک لینا۔ [2] قیمتی۔ بڑھیا۔ زیادہ قیمت کا۔ [3] جس لباس کو پہن کر فخر کیا جائے۔ مراد ہے عمدہ لباس۔ [4] سادگی [5] کاٹ چھانٹ۔

پر دوے میں خرابی نہ ہو۔ انگرکھے کے نیچے چھوٹا کرتا ضرور پہننا چاہیے۔ اوّل تو اُس سے انگرکھا بدن کے میل اور عرق[1] سے محفوظ رہتا ہے۔ دوسرے بدن کی نگاہداشت[2] خوب ہوتی ہے۔ ازار بند ناف سے اوپر باندھنا چاہیے۔ نہ ایسا چُست[3] کہ کمر کٹ جائے نہ ایسا ڈھیلا کہ پائجامہ پھسل پڑے۔ کپڑوں میں چمک دار کپڑے جن میں چاندی سونے کا کام ہو مردوں کو استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا بناؤ سنگھار عورتوں کو زیبا ہے۔ مردوں کو علم کا سنگھار کافی ہے جس کی آب و تاب سے چاندی سونا تو کیا جواہرات اور ستاروں کی چمک بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کامدار ٹوپی یا کامدار جوتی پہننے کا مضائقہ نہیں لیکن جہاں تک ممکن ہو کم کام کی چیز اختیار کرو۔ بلکہ سادہ بہت بہتر ہے بہ نسبت کامدار کے۔

گرمی کے کپڑے نین سکھ یا تن زیب کے انگرکھے اور رگمرک اور لٹھے کے پائجامے کافی ہیں۔ جاڑے میں اونی یا دریس کی چھینٹ سے بانات بہتر ہے۔

کپڑا قیمتی، مضبوط، پائدار اور پختہ رنگ کا اختیار کرنا چاہیے۔ قیمتی ہونے کی وجہ سے تم کو خود اُس کی حفاظت کا خیال رہے گا۔ اور چوں کہ مضبوط قسم کا ہے دیر تک چلے گا۔ اور رنگین ہونے سے کم دُھلانا پڑے گا۔ اور بے دُھلائے بھی پُر رونق رہے گا۔

کپڑے کو گرد و غبار اور ہر طرح کے میل سے بچانا چاہیے۔ چار جوڑے کپڑے بموجب رواجِ ملک اور اپنی حالت کے موافق عمدہ طیار رکھنے چاہییں کہ شادی بیاہ عید بقرعید میں جانے کے وقت پہن لیے جائیں۔ کپڑا ہمیشہ دھویا ہوا اور صاف پہننا چاہیے۔ میلا کپڑا کتنا ہی بیش قیمت ہو۔ اُس سے صاف کپڑا زیادہ خوشنما اور پُر رونق[4] ہوتا ہے۔ گو وہ بیش قیمت نہ ہو۔ اچھے کپڑے پہن کر غرور مت کرو۔ بلکہ خدا کا شکر کرو کہ اُس نے اپنی

---

[1] پسینہ۔ [2] حفاظت۔ [3] تنگ۔ [4] رونق دار۔

مہربانی سے تم کو کپڑے پہنائے۔ ہم سے اور تم سے ہزاروں آدمی ننگے یا پھٹے پرانے پیوند لگائے پھرتے ہیں۔ بلکہ بہت سے غریب بے نصیب جاڑوں میں سردی مرتے ہیں۔ اگر کوئی میلا پھٹا کپڑا پہنے ہو اُس کو ذلیل مت سمجھو نہ اُس سے نفرت کرو۔ کوئی شخص اپنی خوشی سے ذلیل حالت میں نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی حکمت ہے۔ اور ہزار شکر ہے کہ اُس کی حکمت نے ہم کو ایسی ذلیل حالت میں رکھنا پسند نہ کیا جس طرح غریب بھوکے کو کھانا دینا چاہیئے۔ اسی طرح پرانا کپڑا غریب کو دے ڈالنا چاہیئے۔ لیکن نہ ایسا دینا جو لاحاصل ہو بلکہ ایسے سکتؔ[۱] کا کپڑا دو جس کو کوئی غریب ہفتہ دو ہفتہ پہنے اور تم کو دعا دے۔ کپڑا پہن کر بار بار اپنے تئیں دیکھنا دلیل غرور کی ہے۔ یا کپڑا پہن کر اکڑنا اور مٹک کر چلنا یا کپڑے کی کھڑکھڑ پر خوش ہونا سب گناہ ہے۔ بلکہ کورے کپڑے کو دھلوا کر پہننا چاہیئے۔ تا کہ اُس میں کلف باقی نہ رہے نہ کھڑکھڑ ہو۔ لڑکوں کو چھ جوڑوں سے زیادہ کپڑے بنانا نہیں چاہیئے۔ کیوں کہ لڑکوں کے بدن کو ماشاءاللہ[۲] بالیدگی[۳] رہتی ہے اور لڑکوں کے کپڑے جلد جلد تنگ ہو جاتے ہیں۔

صفائی کے بیان میں ہم نے لکھ دیا ہے کہ انگرکھے کے دامن یا آستین سے ناک پونچھنا، یا آستین و دامن یا بند کو چبانا، یا ٹوپی اور دامن یا جیب میں کھانے کی کوئی چیز رکھنا بے تمیزی کی بات ہے۔ سو تم ایسی احتیاط کرو کہ ایسی بے تمیزی کی کوئی حرکت تم سے سرزد[۴] نہ ہو۔ جب تم کپڑے کو میل و غبار سے بچاؤ گے تو ضرور پھٹنے سے بھی اُس کی احتیاط کرو گے۔ بہت کپڑے پھاڑنا بڑی شرارت[۵] ہے اور جو لڑکے بہت کپڑے پھاڑتے ہیں ہم اُن کو پیار کرنا نہیں چاہتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کپڑا بڑے داموں کی چیز ہے تم

---

[۱] دم دار، مضبوط۔ [۲] جو چاہا اللہ نے واسطے نظر بد دور کرنے کے کہا جاتا ہے۔ [۳] بڑھنا۔ [۴] واقع۔ [۵] شوخی۔

نقد روپئے کی کیسی قدر کرتے ہو۔ پھر کیا وجہ کہ جو چیز روپئے کے عوض حاصل ہوتی ہے اُس کی احتیاط نہ کرو کپڑا اگر پھٹ جائے فوراً اُس کو درست کرا لو ورنہ زیادہ پھٹتا جائے گا۔ اور اگر پیوند لگانے سے درست ہو سکے تو اُس کے پہننے سے انکار مت کرو یہ بات خدا کو پسند[۱] نہیں ہے کہ کوئی آدمی غرور کرے اور اپنے تئیں بڑا گردانے۔

باورچی خانے میں لڑکے اکثر کپڑے جلایا کرتے ہیں اور آگ کے پاس لڑکوں کا بیٹھنا ہمیشہ خوفناک ہے۔ کئی مرتبہ لڑکے جل کر مر گئے ہیں۔ تم کو چولھے کے پاس جانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ نہ تم کھانا پکاتے نہ پکانے میں صلاح دیتے ہو۔ اگر کھانا منظور ہے علیحدہ ادب اور سلیقہ سے لے کر کھاؤ۔ اور اگر سینکنے کا حیلہ ہے تو اُس سے یہ بہتر ہے کہ رضائی یا لحاف یا دھوپ میں بیٹھو۔ خبردار ہرگز چولھے کے پاس مت جاؤ ورنہ تم جانو جل جاؤ گے۔

جو لوگ اکثر میلے اور ناصاف کپڑے پہنے رہتے ہیں اُن کو یہ تصور[۲] ہوتا ہے کہ کپڑا بار بار دُھلانے اور صاف کرانے سے جلد پھٹتا ہے۔ پس دھوبی کی اُجرت اور مزدوری کے علاوہ خود کپڑے کا بھی نقصان ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنا غلط ہے۔ میل کپڑے کے حق میں تیزاب کا حکم رکھتا ہے۔ اُس کو گلاتا اور کمزور کر دیتا ہے۔ اور صرف بہت میلے کپڑے ہی دھوبی کے یہاں پھٹتے ہیں۔ اس واسطے کہ اُن کا مدتوں کا جما ہوا میل نہیں چھوٹتا جب تک کپڑے کو خوب مَلا دَلا نہیں جاتا۔ جو کپڑا اکثر صاف رہے گا وہ زیادہ دیر تک چلے گا بہ نسبت اُس کپڑے کے جو ہمیشہ پسینے میں بھیگا اور میل اُس میں بھرا رہتا ہے۔

رنگین کپڑے مردوں کو پہننے بعض تو منع ہیں جیسے سُرخ یا گلابی وغیرہ اور بعض نازیبا[۳]۔ البتہ سبز اور سیاہ اور کاسنی اور سُرمئی اور بادامی اور ثقہ[۴] رنگ کا مضائقہ نہیں۔ لیکن

---

[۱] سمجھے۔ [۲] خیال۔ [۳] نامناسب۔ [۴] وہ رنگ جس کو بھلے آدمی پہنتے ہیں۔

سفید رنگ سے زیادہ خوشنما اور سدا بہار کوئی رنگ نہیں۔ بہتر ہے کہ گرمی میں ہمیشہ سفید کپڑے رکھو۔ جاڑے میں بانات کسی صوفیانہ رنگ کی۔ گوٹہ[1]، پیمک، طوئی، ٹھپا، گوکھرو، سلمہ، ستارہ مردوں کو سب معیوب[2] ہے۔ صرف قیطون یا کمخواب کی ہلکی بیل کا مضائقہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ لباس میں سیدھی سادی وضع اختیار کرو جیسے کہ پرانے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ آج کل کے جوان تو عمر لڑکوں نے جو بانکپن کی ادا[3] نکالی ہے شریف زادوں کو اُس کا اختیار کرنا اچھا نہیں ہے۔ قاعدہ ہے کہ ظاہری وضع آدمی کے دلی خیالات پر دلالت کیا کرتی ہے۔ پس اگر تم اپنی وضع ظاہر درست نہ رکھو گے تو اُس کے صاف یہ معنی ہیں کہ تم خود اپنا عیب ظاہر اور پردہ فاش[4] کرتے ہو۔ پس تم نے لباس بد وضعی کا اختیار کیا گویا اپنی غلط فہمی سے عیب گو کو اپنا دوست سمجھا۔

گفتگو یعنی بات چیت

اگر غور کرو تو بولنا اور بات کرنا اتنا ضرور نہیں جتنا کہ ہم لوگ رات دن بلا ضرورت اور بے حاجت بکا کرتے ہیں۔ پس بے ضرورت بات کرنا شیوہ[5] عقلمندوں کا نہیں۔ کوئی پوچھے تو جواب دو۔ تم کو خود حاجت ہو تو بولو اور کہو۔ اس سے زیادہ بولنا بے فائدہ بکنا ہے۔ گفتگو میں چغلی اور غیبت یعنی کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہنا یا بدی کے ساتھ اُس کا تذکرہ کرنا اور جھوٹ بولنا یا فحش یعنی لُچی بات یا گالی بکنا پرلے درجے کے عیب ہیں۔ بہت احتیاط کرو کہ تمھاری گفتگو ان عیبوں سے پاک ہو ورنہ ایسے آدمی کو بد زبان اور بیہودہ کہتے ہیں۔

---

[1] گوٹہ پیمک وغیرہ سے یہ مُراد ہے کہ زرّین کام کسی قسم کا چمک دار۔ [2] عیب دار۔ [3] انداز۔ [4] ظاہر [5] طریقہ۔ دستور۔ طور۔

بعض لوگوں کو تکیہ کلام[1] کی عادت پڑ جاتی ہی۔ لوگ موںھ پر لحاظ کے سبب کچھ نہیں کہتے، پیٹھ پیچھے ہنسی اُڑایا کرتے ہیں۔ ان دنوں لوگوں نے قسم کو تکیہ کلام کر لیا ہی۔ لیکن غضب یہ ہی کہ اس کو عیب بھی نہیں سمجھتے۔ جس کو دیکھو بے واللہ[2] کے ایک لفظ نہیں بولتا۔ ان کم بختوں کو بات بات میں خدا کا نام لینے سے بھی باک[3] نہیں۔ قسم کو تکیہ کلام کرنا تو درکنار[4] مطلق[5] قسم بھی بے ضرورت کھانا عیب ہی۔ قسم بے اعتباری کا تمغہ[6] ہی۔ اس واسطے کہ اگر قسم کھانے والا اپنی بات کو لائق پذیرائی[7] جانتا تو قسم کیوں کھاتا اور اس دشمنِ عقل کو اتنا خیال نہیں کہ جس کی بات کا اعتبار نہیں اُس کی قسم کا کب اعتبار ہوگا۔

جو بات کرو نرمی اور عاجزی اور آہستگی کے ساتھ کرو۔ سخت بات کہنا یا چلا کر بولنا ہرگز نہیں چاہیئے۔ اگر تم کو کسی پر غصہ بھی آئے تو بدزبانی مت کرو۔ ارے یا ابے یا تو کر کے بولنا بھی گالی کے برابر ہی۔ جو لوگ تم سے کم درجہ ہیں یہاں تک کہ اپنے نوکر اور خدمتگاروں سے بھی بھائی میاں اور جی کہہ کر بات کرنی چاہیئے۔ تاکہ سب لوگ تم کو جی سے پیار کریں۔ جب کوئی تم کو پکارے تو اگر اپنا بزرگ یا بڑا ہی تو بہت ادب کے ساتھ جواب دو کہ حضرت حاضر ہوا، یا ارشاد فرمایئے، یا کیا حکم ہی۔ اور اگر اپنے سے کم درجہ ہی تو یوں جواب دینا چاہیئے۔ کیوں بھائی کیا کہتے ہو، کیا کام ہی۔ لیکن پکارنے کا جواب ہاں نہیں ہی جیسا کہ اکثر لڑکے بولتے ہیں۔ یہ بولی جانوروں میں سے گائے بیل کی بولی سے بہت ملتی ہی۔ پس نامناسب ہی کہ آدمی ہو کر جانوروں کی بولی بولو۔ جب تم مرد آنے میں مردوں کو کو باتیں کرتے سنو تو اُن کی گفتگو پر غور کرو۔ کیوں کہ بھلے مانس آپس میں گفتگو کرتے ہیں

---

[1] وہ بات جس کو انسان گفتگو میں بے قصد بار بار کہے۔ [2] خدا کی قسم۔ [3] ڈر، خوف۔ [4] ایک طرف [5] بالکل [6] جو روپئے کی شکل کا بطور انعام یا یادگار کسی کارگزاری کے دیا جاتا ہی اور یہاں مراد ہو علامت یا نشان۔ [7] قبولیت

سلام اور سلام کا جواب۔ مزاج پوچھنا اور مزاج پرسی کا جواب۔ عیادت[1]، اور تسلی کا جواب، اور تعزیت[2]، اور مبارک باد، اور کسی کے کلام پر جرح[3]، اور اعتراض[4]، اُس کی تردید[5] یا اُس کی تائید[6]، اور خوش خبری[7] کا دینا یا خبر بد پہنچانا، اور مدح[8] و ذم[9]، اور مباحثہ[10]، مناظرہ[11]، اظہارِ علاقہ و ادائے شکریہ، درخواست[12] والتماس[13]، عذر[14] و معذرت، استعفا[15]، اظہار اشتیاق[16]، شکوہ[17] و شکایت، تاسف[18] بشاشت[19]، اور ہر طرح کی بات چیت کس طرح پر ہوتی ہو۔ اُن کے لفظ ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ اور جب تم کو بھلے مانسوں سے گفتگو کا اتفاق ہو تو وہی لفظ بولو جو تم نے بھلے مانسوں کو بولتے سُنے۔ ہر چند درستی گفتگو کی بے علم نہیں ہو سکتی لیکن علم والوں اور بڑے لکھوں کی گفتگو پر دھیان[20] لگانے اور غور کرنے سے بیشک بہت بڑا فائدہ ہوتا ہی۔ بے علم لوگ مزاج کو مجاز منفج[21] کو کوئی منجش کوئی منجز۔ اور نسخے کو نُخسا کہتے ہیں۔ اور اسی طرح سیکڑوں لفظ ہیں جن کو بے پڑھا آدمی صحیح نہیں بول سکتا۔ پس تم کوشش کرو کہ جلد جلد پڑھ لو تو تمھارا روزمرہ[22] درست ہو جاتے۔ یہ بولی جو ہم تم بولتے ہیں اردو کہلاتی ہی۔ اور یہ بولی بہت پرانی نہیں ہی۔ پرانی بولی عربی ہو اور عرب کے ملک ہیں جہاں لوگ حج کو جاتے ہیں اب تک عربی بولی جاتی ہو۔ اور عربی زبان میں علم کی ہزاروں کتابیں ہیں فارسی بھی بہت پرانی بولی ہو اور اس زبان میں بھی علم کی تو کم قصے کہانی کی بہت کتابیں ہیں۔ فارسی بولی ایران میں بولی جاتی ہو۔ یہ ملک جس میں ہم رہتے ہیں ہندوستان ہی۔ یہاں

---

[1] بیمار پرسی [2] ماتم پرسی [3] زخم گھاؤ۔ مجازاً بمعنی اعتراض [4] کسی بات میں عیب نکالنا [5] کسی کی بات کو رد کرنا۔ [6] مدد کرنا۔ [7] اچھی خبر سُنانا۔ [8] تعریف [9] بُرائی [10] کسی سے بحث کرنا۔ [11] بحث [12] خواہش چاہنا [13] عرض [14] عذر حیلہ بہانہ۔ [15] معافی مانگنا۔ مجازاً نوکری چھوڑنے کی درخواست کو بھی کہتے ہیں۔ [16] شوق [17] گلہ۔ [18] افسوس [19] خوشی [20] خیال۔ [21] جو دو امعنی ملائم کرنے کے واسطے جلاب سے بیشتر دیجاتی ہے [22] ہر روز کی بات چیت

کی اصلی بولی سنسکرت تھی۔ پھر بھاکا بولنے لگے۔ اکبر بادشاہ کے وقت میں بہت بڑا لشکر دہلی میں رہتا تھا۔ اُن میں عرب، ہندوستان، ترکستان، فارس ہر مُلک کے آدمی نوکر تھے اور اپنے اپنے دیس کی بولی بولتے تھے۔ مدت تک سب ساتھ رہے اور سب کی بولیاں گڈمڈ ہوکر یہ نئی بولی پیدا ہوئی جو اُردو ہے اور ہم تم بولتے ہیں۔ پس اُردو بولی اس ملک سے نکلی۔ اس طول داستان سے مطلب یہ ہے کہ تم اس ملک میں پیدا ہوئے اور اس ملک میں پرورش پاتے رہے ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمھاری زبان سے خود تمھارے مُلک کی بولی کا کوئی نادرست لفظ نکلے۔ پس غور کرکے اپنا روزمرّہ صحیح اور درست کرلو کہ تم سچّے اہلِ زبان بن جاؤ۔

جب تک لڑکوں کی شادی نہ ہوجائے اُن کو غزل[1] شعر[2] اور گیت پڑھنا اور گانا نہیں چاہیئے بلکہ جہاں گانا ہو وہاں کھڑا ہونا یا بیٹھنا بھی اچھا نہیں۔ بھلے مانس اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہرچند بولی ایک ہی لیکن مردوں اور عورتوں کے لب و لہجہ[3] میں بڑا فرق ہے جو لوگ تم مرد ہو عورتوں کا لب و لہجہ مت اختیار کرو۔ اور جو شخص مرد ہوکر عورتوں کی طرح بولتا ہے وہ ہیجڑا کہلاتا ہے۔ بلکہ عورتوں کی حرکات اور انداز بھی مردوں کو اختیار کرنے نہیں چاہیئیں تم جس طرح مردوں کا چال چلن دیکھو اُس کی بے کم و کاست[4] پیروی[5] کرو۔ بات صاف اور آہستہ سمجھا کر کہنی چاہیئے۔ جلد ہرگز مت بولو۔

ادب

تم کو سمجھنا چاہیئے کہ گو آدمی سب ایک طرح کے ہیں۔ دو کان، دو ہاتھ، دو آنکھیں،

---

[1] وہ نظم جس میں عشق کی باتیں ہوں۔ [2] نظم۔ [3] بول چال۔ روزمرّہ۔ [4] جس میں کمی نہ رہے۔ [5] تقلید۔

دو پاؤں، ایک ناک، ایک سر، سب کے برابر ہیں۔ لیکن پھر بھی آدمیوں آدمیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کوئی باپ ہے، کوئی بیٹا۔ کوئی اُستاد ہے، کوئی شاگرد۔ کوئی آقا[1] اور مالک ہے، کوئی نوکر اور خادم۔ کوئی مولوی اور جاہل۔ کوئی حاکم۔ کوئی طبیب[2]۔ کوئی دوکان دار۔ کوئی مزدور۔ پس اگر سب آدمی درجے میں برابر ہوں تو دُنیا کا انتظام[3] ٹوٹ جائے۔ اس واسطے ہر ایک کے واسطے خاص ذریعے اور خاص رُتبے مقرر رہیں۔ بیٹے کو باپ کا، اور شاگرد کو اُستاد کا، اور نوکر کو مالک کا، اور رعایا کو حاکم کا، اور بیمار کو طبیب کا حکم ماننا لازم اور واجب ہے۔ عمر اور رشتے اور ذات اور ہنر اور لیاقت اور دولت اور حکومت سے درجہ معلوم ہوتا ہے جس کی عمر زیادہ ہو، یا رشتے میں بڑا ہو، یا جو ذات میں شریف ہو، جیسے مسلمانوں میں سید اور ہنود میں برہمن، یا جس کو لیاقت زیادہ ہو، جیسے مولوی اور پنڈت، یا جو دولت مند یا حاکم ہو، سب قابلِ ادب ہیں۔

اگر تم ادب کرتے ہو تو مت سمجھو کہ یہ بھی دُنیا کی ایک رسم ادا کرتے ہیں، اور اگر ادب نہ بھی کریں تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ خبردار ایسی بات ذہن میں مت آنے دو۔ ادب کرنے میں سراسر تمہارا زیاں[4] ہے جس کا تم نے ادب کیا، جھک کر سلام کرنے یا مؤدب[5] ہو کر بیٹھ جانے سے تم نے اس کو کیا دیدیا؟ لیکن تم نے ایک سلام میں بڑا فائدہ حاصل کیا جس کا تم ادب کرو گے ضرور وہ تم سے خوش ہوگا اور اُس کا جی چاہے گا کہ تم کو کچھ نفع پہونچائے اُستاد کا ادب کرو تو جی لگا کر اور سمجھا کر سبق دے گا۔ جب بھولو گے خوشی سے بتلائے گا۔ ماں باپ کا ادب کرو تو دیکھو کیسے چین تم کو کراتے ہیں۔ جو مانگا سو موجود۔ جو کہا سو حاضر۔ حاکم کا ادب کرو تو عزت سے پاس بٹھائے گا۔ ہر بات میں تمہاری رعایت کرتا رہے گا۔ اب ادب کرنے والوں کی

---

[1] مالک۔ [2] حکیم۔ [3] بندوبست [4] نقصان۔ [5] با ادب۔

حالت پر نظر کرو۔ بے ادب شاگرد کو اُستاد بے دلی سے پڑھاتا ہے۔ بھولا ہوا پوچھتا ہے تو تانی[1] میں دریغ[2] کرتا ہے اور کہتا ہے کیوں بے! ایک دفعہ کا بتایا ہوا یاد نہیں رکھتا۔ اُٹھ کان پکڑ کر کھڑا ہو۔ بے ادب بیٹا ماں سے کچھ چیز مانگتا ہے تو ماں کہتی ہے مُوئے تیرے نام کو جلتا ہوا انگارا جان ہار تو نے خوب جلایا ہے۔ باپ کو آنے دے تو دیکھ کیسا ٹھیک بنواتی ہوں۔ بے ادب جب حاکم کے دربار میں جاتا ہے تو چپراسی الگ دھکے دیتے ہیں۔ مذکوری[3] الگ کان پکڑتے ہیں۔ ادب صرف حکم ماننا نہیں ہے۔ اگر تم باپ کا حکم مانو تو تم نے باپ کا ادب پورا نہیں کیا بلکہ ادب میں حکم ماننے کے علاوہ دل سے اطاعت اور دل سے تعظیم یعنی بڑائی کرنا اور لحاظ ضرور ہے۔ تم پر جس جس کا ادب لازم ہے اُن کو خوب جُھک کر سلام کیا کرو، جہاں تک ہوسکے اُن کی خدمت کرو، اُن کے سامنے بدلحاظی کی کوئی بات مت کرو، یہاں تک کہ نشست[4] و برخاست[5] میں بھی اتنا خیال کرو کہ اُن کی طرف پُشت[6] مت ہونے دو، اُن سے اونچے مت بیٹھو، اُن کی طرف پاؤں مت کرو، اُن سے آگے مت چلو، اُن سے بات میں ردّوکد[7] مت کرو، اُن کے سامنے بہت مت بولو، اور بہت مت ہنسو، اُن سے آنکھ مت ملاؤ، اُن کا نام نہ لو ہر چند کوئی پوچھے، اور جو ضرورۃً لو بھی تو بہت ادب کے ساتھ نام سے پہلے لفظ جناب اور نام کے بعد صاحب لگا کر لو۔ جب تم اتنی باتیں کروگے تو ادب والے پیارے بیٹے کہلاؤ گے۔ جو لڑکے اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتے دُنیا میں ہمیشہ کے واسطے ذلیل و خوار رہیں گے۔ کیسے کمبخت ہوتے ہیں وہ بیٹے جو ماؤں کو جواب دیتے ہیں اور اُن کی تعظیم نہیں کرتے! بہتر تھا کہ بجائے ایسی ناہموار[8] اولاد کے سانپ پیدا ہوتے یا عورت بانجھ[9] ہوتی اور ایسی ناشدنی[10] اولاد دنیا میں نہ پیدا

---

[1] تامّل [2] پیادے۔ [3] بیٹھنا۔ [4] اُٹھنا۔ [5] پیٹھ۔ [6] تکرار۔ [7] جو برابر نہ ہو۔ مجازاً بمعنی بے ادب۔
[8] اُس عورت کو کہتے ہیں جس کے بچے نہ ہوتے ہوں۔ [9] بے نصیب جس سے اُمید نہ ہو کہ کچھ ہوگا۔

ہوتی۔ تم ماں باپ کی قدر نہیں جانو گے جب تک خود باپ نہ ہو گے اور جب تک وہ وقت آئے تب تک بہت کم امید ہو کہ ماں باپ تم سے ادب کرانے کے لیئے زندہ رہیں۔ پس اس فرض کے ادا کرنے میں ہرگز وقت ضائع نہ کرو۔

صحبت

یہ مثل تو تم نے سُنی ہو گی کہ خربزہ کو دیکھ کر خربزہ رنگ پکڑتا ہی۔ لیکن مطلب پر شاید غور نہ کیا ہو تو اب اس کو سوچو کہ دیکھ کر رنگ پکڑنا کیا بات ہی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے لوگوں کے پاس اٹھو بیٹھو گے اُن ہی کی سی عادت سیکھو گے۔ کھجلی، جذام یعنی کوڑھ، ہیضہ، وبائی مرض کئی بیماریاں پاس بیٹھنے سے لگ جاتی ہیں، اسی طرح عادت بھی اُڑ کر لگتی ہی۔ صحبت کا اثر مشہور بات ہی۔ پس اگر تم کو منظور ہی کہ ہماری عادت اچھی ہو تو تم اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھو۔ شاید تم جی میں کہو کہ اچھے لوگ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں میں اُن کے پاس بیٹھنے سے گھبراتا ہوں۔ بے شک عذر معقول ہی۔ لیکن یہ مطلب نہیں ہو کہ تم بڑوں کے سر پر ہر وقت سوار رہو۔ دن میں دو چار گھڑی بڑوں کے پاس حاضر[2] رہنا بھی فائدے سے خالی نہیں۔ البتہ تمھارا جی اپنے ہم عمروں میں بہلتا ہو گا جو ہر وقت تمھارے ساتھ کھیلتے ہیں اور جن سے کسی طرح کا لحاظ اور تکلّف نہیں ہی۔ بس ہمارا اصل مطلب یہ ہی کہ ہم عمر تو تمام محلے میں صدہا[3] لڑکے ہیں کن لڑکوں کے ساتھ تم کو کھیلنا چاہیئے۔ کمینوں اور ذلیلوں اور بازاری لڑکوں کے ساتھ ہرگز مت کھیلو۔ ایسے لڑکے اپنے ماں باپ سے تعلیم پاتے ہیں۔ نہ گالی بکنے سے باک[4] ہو نہ اُچّی بات کہنے سے، اور ہمیشہ ایسے لڑکوں میں چوری اور جھوٹ اور بے حیائی کی عادت ہوتی ہی۔ یہ کھیل بھی

---

[1] واجبی۔ [2] موجود۔ [3] سیکڑوں۔ [4] ڈر۔ ۱۲

The J & K University Library

کھیلیں گے تو جُوا، یا جانوروں کا لڑانا، یا کنکوّا اُڑانا، یا گولی پھیرنا۔ ایسے لڑکوں میں اگر تم رہوگے تو تم بھی ان ہی کی سی عادت سیکھوگے۔ ہم تم کو کھیلنے سے منع نہیں کرتے۔ لڑکوں کو تھوڑی دیر کھیلنا بھی چاہیئے۔ لیکن کھیل بھی طور ٹھکانے کا کھیلو۔ بعض کھیل تو ایسے بُرے ہیں کہ کھیلنا تو درکنار، نام لینا بھی ناجائز ہی۔ مثلاً جُوا جو کوڑیوں اور پیسوں سے کھیلتے ہیں، پتنگ اُڑانا بھی ایک طرح کا شہدا پن ہی۔ جانوروں کا پالنا بڑی بے رحمی[1] اور سنگدلی کی بات ہی۔ خدائے تعالےٰ نے ہر جاندار کے لیئے ایک خاص جگہ مقرر کر دی ہی۔ مچھلی، مرغابی، بطر، مگر وغیرہ پانی میں رہتے ہیں۔ آدمی، گھوڑا، گائے، بیل، بھینس، بکری وغیرہ زمین پر خشکی میں۔ اور فاختہ، مینا، لعل، طوطے، بلبل، کبوتر وغیرہ درختوں پر ہوا میں۔ اب تم کو کوئی زبردستی قید کر کے دریا میں ڈبوئے رکھّے یا درخت پر باندھ دے تو بتاؤ تم دریا میں یا درخت پر خوش رہوگے یا ناخوش۔ ہم تو جانتے ہیں تم کو زمین اور تخت اور چارپائی اور کرسی پر زیادہ آرام ہی۔ دریا میں تھوڑی دیر کے بعد آدمی کا دم نکل جائے۔ درخت پر ہر دم یہ خوف کہ اب گرے اور ہاتھ پاؤں ٹوٹا۔ اسی طرح مچھلی کو خشکی میں رکھو تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ بعینہٖ[2] یہی تکلیف پنجرے میں اور جانوروں کو بھی ہوتی ہی جن کو تم بے رحمی سے قید کرتے ہو، اُن کو بال بچوں سے چھڑاتے ہو، اور اُن کا آب[3] و دانہ اپنے اختیار[4] میں رکھتے ہو۔ لیکن بے چارے بے زبان کس سے فریاد کریں۔ قید میں پڑے پڑے گھُلتے ہیں۔ لیکن خدا جو بے زبانوں کی فریاد سُنتا ہی وہ یہ ظلم دیکھ رہا ہی نہیں معلوم عاقبت[5] میں کیا باز پُرس[6] ہوگی۔ تم کو تو کھیل ہی اور جانور بے چاروں کو موت۔ ان سے بڑھ کر کوئی مرغ لڑاتا ہی۔ کوئی مینڈھوں سے ٹکّر لڑواتا ہی۔ کوئی بٹیر بلبل

---

[1] بے رحمی [2] ہوبہو۔ [3] دانہ پانی۔ [4] قبضہ۔ [5] آخرت۔ [6] پوچھ گچھ

۸۲۹۷۴

اور بلبلوں اور بٹیروں میں کشتی لڑتا ہے۔ جانوروں کا خون ہوتا ہے اور سنگ دلوں[۱] کو ہنسی اور کھیل ہے۔ پنجروں[۲] کے جانوروں کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ یقین نہ ہو تو آزمالو۔ کوا تیس برس تک جیتا ہے۔ تم کو اس آزمائش کے لیے چاہیے کہ ایک کوے کو پکڑ کر قفس میں بند کرو شاید تیس ہفتے بھی زندہ نہ رہے گا۔ اگر ایسے کھیل کھیلنے کو تمھارا دل چاہے۔ تو تم آدمی نہیں بلکہ قصائی ہو۔ تمھارے دل میں رحم اور ترس نہیں تم سے ڈرنا چاہیے شاید تم کسی کو کاٹ ہی کھاؤ گے۔

گنجفہ، شطرنج، چوسر[۳] یہ سب کھیل ابھی تم کو نہیں آسکتے۔ ان کے کھیلنے کو عقل چاہیے لیکن جس کسی کو لڑکپن میں ان کھیلوں کی لت[۴] پڑ جاتی ہے وہ علم و ہنر سے بے بہرہ[۵] اور کمال حاصل کرنے سے بے نصیب رہ جاتا ہے۔ کبڈی، گیند بلا، گلی ڈنڈا، آنکھ مچولی وغیرہ اس قسم کے کھیل کھیلنے کا مضائقہ نہیں لیکن اس شرط سے کہ گلی کوچے میں نہ ہو۔ اور ذلیل لڑکوں کے ساتھ نہ ہو اور دو گھڑی سے زیادہ نہ ہو وہ بھی فرصت کے وقت۔ مثلاً شام کو جب کہ لکھنے پڑھنے سے فراغت ہو۔ سبق یاد ہو گیا ہو، اور کوئی کام کرنے کو باقی نہ ہو۔ لڑکے کھیل میں اکثر نقلیں کیا کرتے ہیں۔ نقل بھی کرو تو اونچے آدمی کی، نہ یہ کہ کہار بنو اور ڈولی اٹھاؤ یا گاڑی بان بنو اور گاڑی چلاؤ۔ الغرض کھیل میں حوصلہ بلند اور ہمت بڑھی ہوئی اور طبیعت چالاک رہے۔ بادشاہ بنو، کوتوال بنو، سرداری کی بات ہاتھ سے جانے نہ دو۔ اسی طرح خدا نقل سے اصل بھی کر دے گا۔ کھیل واسطے تفریح[۶] طبع کے ہے۔ کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ پس کھیل میں ایسا مصروف[۷] ہونا کہ تمام دن کھیلتے رہو لکھنے پڑھنے کا حرج کرو کسی طرح جائز نہیں بعض کھیل خاص لڑکیوں کے ہیں جیسے گڑیاں کھیلنا۔ وہ لڑکوں کو نہیں کھیلنے چاہئیں۔ بلکہ لڑکوں کو

---

۱ سخت دل۔ بے رحم۔ ۲ پنجرہ ۳ گنجفہ۔ شطرنج۔ چوسر یہ ایک قسم کے کھیل ہیں اور ان کی تشریح اس لیے نہیں کی جاتی کہ ایسا نہ ہو لڑکے دیکھیں ۴ بری عادت۔ ۵ بے نصیب۔ ۶ دل بہلانے۔ ۷ لگے رہو گھتے رہو۔

لڑکیوں میں بیٹھنا یا اُن کے کھیل میں شریک ہونا بھی اچھا نہیں گو اپنی بہنیں اور کُنبہ کی لڑکیاں ہوں۔ جیسے لڑکوں کے ساتھ تم کو کھیلنے کی اجازت دی گئی یعنی عزت دار بھلے مانسوں کے بیٹے اور اشراف زادے اگر ایسے لڑکے تم کو میسّر نہ آئیں تو کسی طرح گھر میں جی بہلا لیا کرو۔ پاجی لڑکوں کے پاس تم گئے اور پاجی ہوئے۔ مکتب یا مدرسے میں بھی صرف اُن ہی لڑکوں کے ساتھ دوستی اور محبت کرنی چاہیئے جو عزت دار اور اونچے خاندان کے ہیں۔

عقل

عقل تو آدمی میں خدا پیدا کرتا ہی لیکن لڑکپن میں عقل درست نہیں ہوتی۔ جب آدمی خوب لکھ پڑھ لیتا ہی اور دُنیا کا نیک[۱] و بد گرم[۲] و سرد بار بار آزماتا ہی تب کہیں تیس یا چالیس برس کی عمر میں کمالِ عقل حاصل ہوتا ہی۔ بالفعل[۳] تمھارے سمجھنے کو ایک بہت موٹی بات کہی جاتی ہی وہ یہ کہ تم غور کرو تمھارے ماں باپ نانا اور ماموں وغیرہ جو رشتے میں بزرگ[۴] ہوتے ہیں تمھارے دوست ہیں یا دشمن۔ اگر تم کو یہ لوگ پیار کرتے ہیں تم کو ہر طرح کا آرام دینا چاہتے ہیں۔ اچھا کھانا اور اچھا کپڑا خود نہیں کھاتے اور پہنتے بلکہ تم کو کھلاتے اور پہناتے ہیں تو دوستی ہی ورنہ دشمنی۔ اگر تم ان لوگوں کو دشمن تجویز کرو تو بڑے درجے کی نادانی اور احسان فراموشی[۵] ہی اور یہ تجویز تمام دُنیا کی تجویز سے مخالف[۶] ہی۔ یہ لوگ تو آدمی ہیں جانور تک تو اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں۔ بس مجبور[۷] ہو کر تم کو ماننا پڑے گا۔ کہ یہ سب تمھارے دوست اور سچے دلی دوست، تمھاری بہتری کے خواہاں، تمھارے آرام کے

---

[۱] اچھا بُرا۔ [۲] مراد یہ ہی کہ بھلی بُری سب طرح کی باتیں۔ [۳] ابھی [۴] بڑے [۵] احسان بھول جانا۔ [۶] اُلٹی۔ [۷] عاجز و ناچار۔

طالب ہیں اور پھر یہ بھی تم کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ان لوگوں میں تم سے زیادہ عقل ہے۔ یہ لوگ بہ نسبت تمہارے بہت پہلے سے دنیا میں ہیں بہت سے آرام دیکھ چکے ہیں۔ بہت سی تکلیفیں اٹھائے بیٹھے ہیں۔ بہت کچھ پڑھا اور دیکھا ہے۔ پس ایسی حالت میں تم کو چاہیے کہ اپنے تئیں بزرگوں کے ہاتھ میں اس طرح چھوڑ دو جیسے بیمار اپنے تئیں طبیب[1] کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا ہے۔ جب طبیب نے بیمار کو نسخہ لکھ دیا تو بیمار یہ نہیں پوچھتا کہ اس میں آلو بخارا سرد[2] ہے اور مجھ کو کھانسی ہے نقصان کرے گا۔ یا جلاب میں املتاس تلخ اور ہیک[3] دار ہے مجھ سے نہیں پیا جائے گا۔ یا مونگ کی ابالی کھچڑی میرے حلق سے نہیں اترتی۔ بلکہ جو طبیب کہتا ہے وہ کرتا ہے اور آخر کو اچھا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بزرگ جو نصیحت تم کو کریں حرف بحرف اس کی تعمیل کرو۔ کسی چیز یا کام کو منع کریں مت کرو۔ کوئی کام کرنے کو کہیں ضرور کرو اگرچہ اس کی وجہ نہ معلوم ہو سکے۔ ابھی تمہاری عقل خام ہے۔ کسی طرح سے قابل اعتماد[4] نہیں۔ تمہارا نیک و بد تمہارے بزرگ خوب سمجھتے ہیں جیسے بیمار کا بھلا طبیب خوب پہچانتا ہے۔ لیکن اگر بیمار کو بتائیں املتاس اور وہ پیئے گلقند سیوتی اور کہیں کھچڑی، کھائے کباب یا پلاؤ۔ اور تجویز کریں فاقہ اور وہ حلق تک کھانا ٹھونس لے تو وہ بیمار کبھی اچھا نہ ہوگا۔ اسی طرح لڑکے کو کہیں کہ پڑھو اور وہ کھیلے اور کہیں کہ گھر میں شوخی مت کرو اور وہ برتن پھوڑنے لگے اور لڑائی کو منع کریں اور وہ مقابلہ کرے اور جوا بنے تو ایسے لڑکا انجام کو دنیا میں کبھی آرام سے نہ رہے گا۔ جو تم کو کہا جائے دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں سمجھ لو کہ یقیناً تمہارے فائدے کی بات ہے اور اگر تمہارے فائدے کی بات نہ ہوتی تو نہ کہی جاتی۔

---

[1] حکیم۔ [2] ٹھنڈا۔

[3] ایک قسم کی بدبو۔ [4] بھروسہ باعث ار۔

موافقت

گھر میں اپنے بھائی بہنوں سے کبھی مت لڑو۔ آپس میں لڑنا بہت بُری بات ہے۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر مہربانی اور شفقت[1] یہ دو باتیں جو شخص کرے گا اُس کو کبھی کسی سے لڑنے کا اتفاق نہ ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہنوں میں اکثر لڑائی کھانے کپڑے روپیے پیسے کی بانٹ پر ہوا کرتی ہے۔ دیکھو نہایت شرم اور پست ہمتی کی بات ہے کھانے کے واسطے لڑنا۔ جو تم کو دیا جائے سب مل کر کھالو۔ بلکہ کیسی اچھی بات ہے کہ اپنے بھائی بہن کھائیں۔ اپنے حصے میں سے بھائی بہنوں کو بانٹ دیا کرو۔ جو لڑکے سیر چشم[2]، بلند حوصلہ، عالی ہمت، ہونہار ہیں اُن کا دل اپنے کھانے سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا کہ اپنے بھائی بہنوں کے کھانے سے۔ تم سب بھائی بہن اس طرح ملے جلے رہو کہ گویا ایک جان ہیں۔ اگر کسی وقت چھوٹا بھائی تکرار بھی کرے اور تمہارے خلافِ مزاج اس سے کوئی حرکت سرزد[3] ہو درگزر[4] کرو۔ تم سے چھوٹا ہے اس میں عقل نہیں ہے۔ بات کو خوب نہیں سمجھتا۔ بہنیں گو تم سے بڑی ہیں لیکن آخر سب میں بڑے بھائی تم ہو۔ اور آدمی بڑا نہیں ہوتا اس واسطے کہ سب سے زیادہ کھائے اور سب سے زیادہ حصہ لے۔ بلکہ وہی بڑا ہے جو اوروں کو دیتا اور کھلاتا ہے۔

صحت[5] اور مرض[6]

ایک صحت بڑا نعمت ہے۔ تندرستی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں ہے پس تندرست

---

[1] محبت۔ پیار۔ [2] آسودہ اور جس کی نیت بھری ہو۔ [3] واقع۔ [4] چھوڑ دو۔ معاف کرو۔ [5] تندرستی اور بیماری۔ [6] بیماری۔

رہنا بس غنیمت ہی۔ بیماری ایک طرح کا عذاب[1] ہی جو تکلیف کے علاوہ آدمی کے سب کام بند کر دیتی ہی۔ اگر بیماری کا رنج کسی کو ہو تو دُنیا کے تمام عیش و آرام اُس کی نظروں میں ہیچ[2] ہو جاتے ہیں۔ نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہتا ہی، نہ کھانا مزے کا معلوم ہوتا ہی، نہ کسی شغل میں جی بہلتا ہی۔ واضح ہو کہ بیماری موت کا پیام ہی۔ موت بے بیماری کے بہت کم ہوتی ہی۔ اور جب بیماری سخت اور عرصہ دراز[3] کی ہو جاتی ہی تو اکثر انجام[4] اس کا موت ہی۔ پس بیماری سے زیادہ انسان کا کوئی دشمن نہیں۔ جہاں تک ہو سکے اس دشمن سے بچو اور اس دشمن کو اپنے پاس مت آنے دو۔

اب تم پوچھو گے کہ بیماری کو کوئی شخص اپنی خواہش سے بھی بلاتا ہی؟ سب دُکھ سُکھ خدا کی طرف سے ہیں۔ اگر بیماری کی تکلیف تقدیر[5] میں ہی تو کس کے ٹالے ٹلتی ہی؟ اس سے بچنا کس کے اختیار میں ہی۔ اور اگر بیمار نہ ہونا اختیاری بات ہوتی تو دُنیا میں کوئی بیمار نہ ہوتا۔ شاد باش[6]۔ بات تو معقول پوچھی لیکن سمجھو کہ بدن میں کوئی دُکھ پیدا ہوا اصل اُس کی پیٹ کا فساد ہی لوگ پیٹ کی خبرگیری اچھی طرح نہیں کرتے اسی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں۔ اگر نقصان کرنے والی کوئی چیز کھا لو تو اُس کا نقصان فوراً معلوم نہیں ہو گا اس دھوکے میں لوگ پڑے ہیں لیکن زندگی کی اصل پیٹ ہی۔ کھانا پانی اول پیٹ میں جاتا اور وہاں ہاضم ہوتا یعنی پکتا اور گلتا ہی۔ اور اُس کا عمدہ عرق[7] جگر میں جا کر خون بنتا ہی اور پھوک انتڑیوں کی راہ نکل جاتا ہی۔ خون جو جگر میں بنتا ہی اُس کے ساتھ بلغم[8]، سودا، صفرا پیدا ہوتا ہی۔ بلغم ادھ کچرا خون ہوتا ہی۔ سودا تلچھٹ جو جل کر نیچے بیٹھ جاتا ہی اور صفرا اُبال جو جوش کھا کر

---

[1] دُکھ۔ [2] ناچیز بے کار جس کی کچھ حقیقت نہ ہو۔ [3] مدتوں کی [4] آخر کار۔ [5] قسمت کا لکھا۔ [6] دعا ہی۔ خوش رہو۔ [7] نچوڑ۔ [8] کف۔

اوپر آجاتا ہی۔ یہ چار چیزیں خون، بلغم، سودا، صفرا چار خلط بولے جاتے ہیں جب ان میں سے کسی کو حد سے بڑھ کر زیادتی ہوئی یا اُن میں فساد ہو، بیماری پیدا ہوگی۔ خون کی زیادتی سے پھوڑا، پھنسی، نکسیر، کھُجلی ہوتی ہی۔ بلغم سے کھانسی، زکام وغیرہ۔ صفرا سے پیت اور تپ[1] دردسر وغیرہ۔ سودا سے خفقان[2]، مراق[3] وغیرہ۔ پانی بھی پیٹ میں جاتا ہی لیکن اُس کا فضلہ[4] جگر سے ہو کر گُردوں کی راہ مثانے[5] میں پیشاب بن کر نکلتا ہی۔ بس غذا میں احتیاط کرنا حفظ صحت[6] کے واسطے ضرور ہی۔ بھوک سے زیادہ مت کھاؤ۔ کھانے کا وقت مت بدلو بلکہ مقرر کر رکھو۔ جب تک بھوک خوب نہ معلوم ہو کھانے کا قصد مت کرو۔ ذراسی گرانی[7] معدے[8] میں ہو تو فاقہ کرو بے وقت کوئی چیز مت کھاؤ۔ اناپ شناپ[9] پیٹ میں کھانا ٹھونسنا بیماری ہی۔

جو کھانا اچھی[10] طرح ہضم نہیں ہونے پاتا اُس سے ناقص[11] خون ناقص درجے کا بلغم پیدا ہوتا ہی اور طرح طرح کی بیماریاں آ کر گھیرتی ہیں۔ لڑکے اسی واسطے جلد جلد بیمار ہوا کرتے ہیں کہ کھانے میں احتیاط نہیں کرتے۔ دن بھر بکری کی طرح اُن کا موںھ چلتا ہی۔ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو جانتے ہیں کہ توشک پر بیٹھے ہیں، اسی پر سوئیں گے۔ اُٹھنے کا نام نہیں لیتے کھٹی[12] ڈکاریں آتی ہیں اور ڈکار کے ساتھ کھانا موںھ میں آجاتا ہی اور کھائے جاتے ہیں۔ ابھی پیٹ بھر کر اُٹھے ہیں اور پھر آموجود ہوئے۔ روٹی، سنگھاڑے، ککڑی، جھڑبیری کے بیر، پھلیاں، چنے، بلا بدتر جو ملا سب چٹ۔ پھر بیمار نہ ہوں تو تعجب اور جب بیمار

---

[1] بخار۔ [2] دل کا اُلٹا جانا۔ [3] یہ عارضہ بھی قریب قریب خفقان کے ہی۔ [4] پھوک۔ جھوٹا۔ [5] پھکنا[6] تندرستی [7] بوجھ۔ [8] پیٹ میں تھیلی جس میں غذا رہتی ہی۔ [9] اندھادھند۔ [10] یعنی غذا جو پیٹ میں جا کر ہضم ہوتی یعنی پکتی ہی اُس میں سے جو ٹھیک پکی تو خون بنا اور جو ادھ کچری رہی اُس سے بلغم بنا اور جو زیادہ پک گئی یعنی جل گئی اُس سے سودا اور صفرا یعنی وہ غذا کے ترمرے۔ [11] خراب۔ [12] بدہضمی کی علامت ۱۲۔

پڑتے ہیں تو مصیبت یہ کہ نہ دوا پیتے ہیں نہ لگاتے ہیں۔ رونا ہے اور ہائے ہائے کرنا۔ اور خوب سمجھ رکھو کہ جب بیماری آچکی بے دوا کیے نہیں ٹلے گی بس اگر خدانخواستہ[۱] بیمار ہو جاؤ فوراً دوا شروع کر دو۔ اور دل کو مضبوط کر آنکھ میچ پی جاؤ۔ سب کہیں گے واہ واہ شاباش شاباش بھائی کیا اچھا بیٹا ہے۔ پھر تم کو مونھ میٹھا کرنے کو مصری کی ڈلی ملے گی پان ملے گا جس سے مونھ لال ہو جائے گا۔ اور جو دوا خوشی سے نہ پیو گے آخر پچھاڑے جاؤ گے۔ کوئی چمچہ مونھ میں دے گا کوئی ڈبیا لے کر دوڑے گا کوئی پنکھے کی ڈنڈی لائے گا۔ اس خرابی سے دوا پی تو کیا۔ دوا کی دوا پی اور ناحق برے بنے۔ پھر مصری کہاں اور پان کیسا۔ رونے کو الگ بٹھا دیا۔ آخر جھک مار کر چپ ہو رہو گے جتنی ضد تم دوا پینے میں کرو گے بیماری بڑھتی جائے گی۔ اور ایک دن کی جگہ شاید ایک مہینے دوا پینی پڑے گی۔ دوا کے ساتھ پرہیز بھی ضرور ہے۔ جو کھانا نقصان کرتا ہے تم تو نہیں سمجھتے پس جس چیز کو منع کریں ہرگز مت کھاؤ۔ ورنہ دوا نے جو نفع کیا وہ بدپرہیزی نے سب باطل[۲] کر دیا۔ ناحق دوا کے دام بھی اکارت گئے اور تم نے بے فائدہ اس کے استعمال کی تکلیف بھی اٹھائی۔ جب اچھے ہو جاؤ گے تو اس کے بدلے کی خوب خوب چیزیں تم کو ملیں گی تم کھاؤ گے اور کہو گے آہا کیا مزے کا قلاقند ہے۔ کیسی میٹھی لوزات ہے۔

ہر ایک آدمی کو تھوڑی سی ریاضت[۳] اور محنت بھی ضرور ہے تاکہ کھانا خوب ہضم ہو۔ سو تم دن بھر خوب دوڑتے ہو ریاضت کافی ہے۔ لیکن کھانے کے بعد تھوڑی دیر آہستہ آہستہ ٹہلنا بھی ضرور ہے تاکہ کھانا خوب پیٹ میں اتر جائے۔ گرمی کے دنوں میں دھوپ کے وقت باہر پھرنا گویا زبردستی بخار کو بلانا ہے۔ جب دھوپ تیز ہونی شروع ہو اور سموم جبکہ

---

[۱] خدا نہ چاہے۔ [۲] جھوٹ۔ غلط۔ مراد ہے معنی اکارت۔ [۳] محنت و مشقت جو ہاتھ پیر وغیرہ کی جائے۔

لُو بہتے ہیں چلنے لگے مکان کے اندر محفوظ[1] جگہ میں بیٹھ رہو بدبو اور دھواں اور گرد اور نمی اور بند ہوا یا پانچ چیزیں تندرستی کے لیے زہر ہیں پس بدبو کے پاس صرف بقدر ضرورت رہنے کا مضائقہ نہیں باقی اس سے الگ رہنا چاہیئے۔ اسی طرح دھواں بھی ضرر[2] کرتا ہی۔ اور گرد و غبار بھی موجب نقصان ہی۔ نمی بہت بُری چیز ہی۔ بھیگا ہوا کپڑا اوڑھے رہنا یا بھیگے یا سیلے ہوئے مکان میں بیٹھنا ضرور بیماری کا باعث ہوتا ہی۔ شبنم یعنی اُوس اسی لیے مضر[3] ہی کہ اُس سے کپڑے سیلتے ہیں۔ چھڑکاؤ کا کُھلی ہوئی جگہ میں مضائقہ نہیں جیسے صحن یا کُھلی چھت لیکن بند کوٹھری میں چھڑکاؤ مت ہونے دو۔ دیکھو کیسی بھبک چھڑکاؤ کے بعد اُٹھتی ہی۔ اگر مکان کُھلا ہوتا ہی تو بخارات نکل جاتے ہیں لیکن بند مکان میں گُھٹ کر رہ جاتے ہیں۔ پس ان بخارات کے ملنے سے ہوا خراب اور زہریلی ہو جاتی ہی۔ برسات کے دنوں میں نمی کا بچاؤ مشکل ہوتا ہی جو مکان ٹپکتا ہو اور جس کی زمین نم ہو اُس میں رہنا اچھا نہیں۔ اور جب دھوپ نکلے بلا ضرورت بھی سب کپڑے خشک کرانے چاہئیں کیوں کہ برسات کی ہوا بھی مرطوب[4] ہوتی ہی۔ اندر رکھے ہوئے کپڑے بھی سیل جاتے ہیں۔ نہانے کے بعد فوراً تمام بدن کو کپڑے سے خشک کر لو اور وہ کپڑا الگ کر دو سب سے بہتر ہی بالاخانے پر رہنا لیکن اگر بالاخانہ مکان میں نہ ہو کُھلے دالان میں۔ کوٹھری جس میں اسباب بھرا ہوا ہی اور ہوا بند ہی اُس میں مت جاؤ اُس کے اندر کی ہوا اچھی نہیں ہوتی۔ برتنوں کا دھوؤں کبھی مکان میں نہ ڈالا جائے۔ علیحدہ دور پھینک دیا جائے۔ اس سے بھی بیماری پیدا ہوتی ہی۔ ترکاری کے پتے مکان میں نہ پڑے رہیں ان میں بھی ایک طرح کا زہر ہوتا ہی۔ اور گھر میں کوڑا جمع رہنا بھی بہت بُرا ہی۔ ایک عادت نہایت درجہ بری ہی۔

---

[1] امن کی جگہ۔ [2] نقصان۔ [3] نقصان پہنچانے والے۔ [4] گیلی سیلی۔

وہ یہ کہ گرمی کے دنوں میں رات کو تو اُوس میں سوئے اور آخر شب جب ہوا خنک[1] ہوتی ہی تو سردی کے بچاؤ کے لیئے اندر مکان میں جا پڑے۔ رات کی اُوس اور صبح کی بند ہوا دونوں زہر۔ شام کا وقت بڑے شہروں میں ہمیشہ نہایت درجہ کا خراب وقت ہوتا ہی۔ آدمی اپنی ضرورتوں کے واسطے بکثرت بازاروں کو آتے جاتے ہیں۔ اُن کی آمد و شد[2] سے غبار بلند ہوتا ہی۔ اور دھواں تو غضب کے خدا کی پناہ ایسا کہ سانس لینا مشکل ہوتا ہی۔ اگر تم کو شک ہو تو بعدِ مغرب[3] ذرا چوک تک جا دیکھو۔ گھر لوٹ کر آؤ گے تو مارے دھوئیں کے ناک سے الگ پانی بہتا ہی۔ آنکھوں میں مرچیں لگ رہی ہیں گویا دوزخ سے پھرے۔ ایسے وقت شہر سے باہر ہوا سرد، میدان صاف، نہ دھواں نہ گرد۔ انگریز لوگ ہوا خوری کو گھوڑوں اور بگھیوں پر سوار یا پیادہ[4] نکل جاتے ہیں۔ صبح کی ہوا ہر موسم میں نہایت عمدہ صحت بخش[5] روح افزا[6] ہوتی ہی خصوصاً گرمی کے دنوں میں لیکن ہندوستانی گھر گھسنے[7] صبح و شام دونوں وقت اس نعمتِ خداداد سے محروم[8] ہیں۔ اسی واسطے جس کو دیکھو پیٹ پکڑے پھرتا ہی۔ ماش کی دال کے دو لقمے کھاتے ہیں تو بد ہضمی ہوتی ہی بیسن کی پکوڑی چکھ لیتے ہیں تو نفخ[9] ہوتا ہی۔ تیل کی کوئی چیز زبان پر رکھتے ہیں تو چھاتی جلتی ہی۔ کوئی ثقیل چیز کھا جاتے ہیں تو درد ہوتا ہی۔ اگر چلنے پھرنے کی عادت ہو صبح شام ایک ایک گھنٹہ بھی جنگل کی ہوا کھائیں تو سو دوا کی ایک دوا ہی۔

انگریزوں کو تم نے دیکھا ہوگا کیسے توانا[10] و قوی ہوتے ہیں۔ بچّے دیکھو تو معلوم ہوں دس برس کے ہیں اور ہیں صرف پانچ برس کے۔ یہ سب بدولت ہوا خوری

---

[1] ٹھنڈی۔ [2] آنے جانے۔ [3] آفتاب ڈوبنے کے بعد۔ [4] پیدل۔ [5] تندرستی بخشنے والی۔ [6] مراد ہی زندگی بڑھانے والی۔ [7] وہ شخص جو ہمیشہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ [8] بے نصیب۔ [9] پیٹ پھر جانا۔ [10] طاقتور۔

اور محنت کے ہی چلنے پھرنے سے عرق[1] آتا ہی اور جتنی رطوبت ناقص ہوتی ہی سب پسینہ کی راہ نکل جاتی ہی کھُل کر بھوک لگتی ہی اور کھُل کر اجابت[2] ہوتی ہی۔ ہندوستانی لوگ جنھوں نے محنت کا فائدہ سمجھا اور ہواخوری کو انگریزی رسم قرار دیا اُنھوں نے اور تدبیر نکالی۔ کوئی ڈنڈ پیلتا ہی، کوئی مگدر یا لیزم ہلاتا ہی، کوئی کُشتی لڑتا ہی، کوئی بیٹھکیں لگاتا ہی۔ یہ بات بھی نفع سے خالی نہیں۔ دیکھو ڈنڈ پیل آدمی کیسے موٹے تازے ہوتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی ریاضت اکثر رذیلوں نے پیشہ کر لیا ہی۔ اکھاڑے بنا رکھے ہیں۔ اُن میں تمام دُنیا کے بدوضع لڑکے جمع ہوتے ہیں۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ریاضت ضرور کرنا چاہیئے۔ لیکن صبح و شام پیادہ پا ہواخوری سے بہتر کوئی اور ریاضت نہیں ہی۔ اگر تم ریاضت کچھ ناپسند کرو تو آسان نسخہ ہمیشہ تندرست رہنے کا یہ ہی کہ ہر وقت تھوڑی بھوک لگی رکھو خدا نے چاہا تو کبھی بیمار نہ پڑو گے۔

بڑی سخت بیماری

بیماری دو قسم کی ہی۔ ایک جسمانی یعنی بدن میں جو روگ یا دُکھ ہو جس کا ذکر تھوڑا سا اوپر بیان کیا گیا۔ اور دوسری روحانی یعنی دل میں جو روگ ہو۔ تم اُس بیماری کا نام سُنکر تعجب[3] کرو گے کہ ہیں! کیا دل میں روگ ہوتا ہی! سو یہ تعجب کی بات نہیں۔ کوئی دل روگ سے خالی نہیں۔ اور دل کا روگ بُری بیماری ہی۔ مزاج کی برائی، عادت کی خرابی، دل کا روگ ہی۔ جیسے بدن میں بیشمار[4] مرض ہوتے ہیں۔ اسی طرح دل میں بے تعداد بیماریاں ہیں بدن کے مرض بخار، کھانسی، دردِ سر، پیچش، فالج[5]، لقوہ[6]، جذام[7] وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اور دل کے روگ

[1] پسینہ۔ [2] پاخانہ۔ [3] اچنبھا [4] بےگنتی [5] بدن کا سُن ہوجانا [6] وہ بیماری جس میں مونھ ٹیڑھا ہوجاتا ہی۔ [7] کوڑھ۔

غصہ، لالچ، تکبر، ڈرپوک ہونا، بے حیائی، حسد وغیرہ۔

غصہ

غصہ ایک قسم کا جنون ہی جس وقت آتا ہی انسان کی عقل زائل ہو جاتی ہی۔ اور غصے کی حالت میں نیک و بد کچھ نہیں سوجھتا۔ غصہ کا انجام ہمیشہ پشیمانی ہی۔ اور اس پشیمانی سے روح کو سخت صدمہ ہوتا ہی۔ پس جب تم کو غصہ آئے ضبط کرو بات کو ٹال دو جس شخص پر غصہ آیا ہو اُس کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ دل تو نہیں مانے گا لیکن زبردستی دوسرے کام میں دھیان لگاؤ۔ کوئی اور بات کرنے لگو۔ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ پیاس نہ بھی ہو تو پانی پی لو جس سے غصہ فرو ہو جائے۔ لاحول پڑھو کہ شیطان بھاگ جائے۔ غصے کی حالت میں گالی دینا یا کوئی سخت کلمہ کہنا یا دست درازی کرنا بہت بری بات ہی خبردار موںھ اور ہاتھ دونوں کو روکے رہو اور تم نے کسی کو غصہ میں گالی دی اور اُس نے اُلٹ کر جواب دیا یا تم نے کسی پر ہاتھ چلایا اور وہ لپٹ پڑا تو عزت گئی گزری ہوئی۔ اسی واسطے غصے کا پی جانا مصلحت کی بات ہی۔

لالچ

دیکھو تو کوئی آدمی بھی اس مرض سے خالی ہی جس کو دیکھنے میں اسی فکر میں ہی کہ پگڑی تک ملے تو دوسرے کی اُتار لوں۔ لیکن سچ یہ ہی کہ بول اپنی نیت کو نہ ڈانواڈول کرتے کرتے

---

۱ غرور۔ ۲ پاگل پن۔ ۳ کھویا جانا۔ ۴ اچھا برا۔ ۵ شرمندگی۔ ۶ آدمی کا دشمن۔ برائیوں کی طرف آمادہ کرنے والا جو ایک طرح کی روح ہی جو دکھائی نہیں دیتی ۷ ہاتھ چلانا مار پیٹ کرنا۔ ۸ یعنی ضبط کرنا۔ ۹ بھٹکائے۔

مگر ملے گا وہی جو تقدیر میں ہے۔ پس بہتر ہے کہ آدمی تقدیر پر قناعت[1] کرے۔ لڑکوں
کے لالچ اور طرح کے ہیں جس سے مزیدہ پن[2] ظاہر ہوا کرتا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی کھانا کھاتا ہے اور آپ
کھڑے دیکھتے ہیں۔ بلکہ کھانے والے کی طرح آپ بھی موںھ چلاتے جاتے ہیں۔ یا مزے کا کھانا یا
کوئی لذیذ چیز یا اچھا کپڑا دیکھا لوٹ گئے۔ ارادہ یہ کہ سب کا سب ہم کو ملے۔ یا باہر سے کھانے
کی کوئی چیز آئے تو دروازے تک دوڑے گئے۔ "اباجی پلاؤ" "اباجی مٹھائی"۔ اور پھر لانے
والے نے سر سے نہیں اُتاری اور اُنھوں نے مانگنا شروع کیا۔ ایسا لالچ گھر کا نام خراب کرتا ہے۔
لوگ کہیں گے فلانے کے بچے کیسے بدنیت اور بھوکے ہیں۔ کھانے کو ترستے ہیں۔ پس
بہت احتیاط کرو جب باہر سے کوئی چیز آئے بے پروائی کے ساتھ خبر نہ ہو۔ مانگنا بڑی
شرم کی بات ہے اور اگر مانگنا منظور ہو تو چپکے سے تنہائی میں اپنی ماں سے مانگو، اس کا
عیب نہیں۔ پھر ایسی نیت بھی ٹھیک نہیں کہ جو چیز ہو سب کی سب تم کو ملے۔ آخر دوسرے
بچے بھی تو ہیں۔ اور پھر بچے کھائیں تو بڑوں نے کیا قصور کیا ہے۔ اُن کا بھی تو پیٹ ہے۔
اُن کو بھی میٹھی چیز مزے کی معلوم ہوتی ہے۔ گھر میں جو چیز ہوگی سب کو حصہ رسد[3] ملے گی۔
کیا وجہ کہ تم کو سب حوالے کر دی جائے۔ جب دیکھتے ہیں کہ غیروں کے روبرو لڑکے بدنیتی
ظاہر کرتے ہیں اور چیز آتی دیکھ دوڑے اور گرے پڑتے ہیں تو ہم کو بہت رنج ہوتا ہے
کہ خدایا رنگ برنگ[4] کی نعمتیں تو آئے دن ان کو کھلاتے ہیں اور پھر یہ بھوکے کے بھوکے
اُس وقت جی چاہتا ہے کہ آخر لوگوں میں نام تو بدنام ہوتا ہے۔ آئندہ سے ان کو کچھ مٹھائی
وغیرہ نہ دی جائے۔ اُس سے قطع نظر[5] لڑکوں کے مزاج میں لالچ کا جڑ پکڑنا[6] نہایت زبون ہے
لالچ ایسا مرض ہے کہ افیون کے نشے کی عادت کی طرح اس کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور بیمار کو

---

[1] صبر۔ [2] مزیدار۔ [3] بقدر حصہ۔ [4] طرح طرح۔ [5] علاوہ [6] جمر جانا۔ ۱۲

خبر نہیں ہوتی۔ لالچ کی چاٹ لڑکوں کو چوری سکھاتی ہی۔ کیوں کہ جب اُن کی طمع[1] کو جائز طریقہ سے سیری[2] نہیں ہوتی تو اُن کو ناجائز طور سے چیزوں کے حاصل کرنے پر آخر کار دلیری پیدا ہو جاتی ہی۔ لالچ تخم[3] حسد ہی جس کی مذمت[4] تم آئندہ پڑھو گے۔

تکبّر

اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنے تئیں بہتر اور بڑا سمجھنا۔ اب غور کرو کہ آدمی اپنے تئیں کن باتوں میں بہتر سمجھتا ہی۔ ذات، دولت، حُسن[5]، زور۔ ذات میں بہتر سمجھنا یہ ہی کہ مثلاً تم شیخ ہو کسی جُلاہے یا سقّے کو ذلیل سمجھو صرف اس واسطے کہ وہ جُلاہا یا سقہ ہی۔ لیکن اگر غور کرو تو تم اور سب آدمی یکساں ہیں۔ خدا نے سب کو ایک صورت کا بنایا ہی۔ بھوک پیاس سب کو برابر ہی۔ مرنا سب کو ہی۔ پھر اپنے تئیں بہتر سمجھنا نادانی ہی۔

دولت کا نشہ بھی غضب کا نشہ ہی۔ سچ کہتے ہیں گیہوں کی روٹی کو فولاد کا پیٹ درکار ہی۔ جہاں پیٹ بھرا اور مستی سوجھی۔ غریبوں کو ناچیز سمجھنے لگا۔ اگر کوئی غریب برابر بیٹھ گیا تو بھویں سُکڑ چلیں۔ پیشانی میں چین[6] پڑ گئی کہ اپے تو دو کوڑی کا آدمی ہمارے برابر بیٹھتا ہی۔ یا تو نے ہم کو سلام نہ کیا۔ یا ہم کو دیکھ کر تعظیم[7] کے واسطے کھڑا نہ ہوا۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ دُنیا میں کوئی حالت قابل اعتماد کے نہیں۔ اکثر ایسے اتفاق پیش آتے ہیں جو خواب و خیال میں نہ تھے اور ہماری حالتوں کو دفعتہً[8] بدل دیتے ہیں۔ دولت دریا کی ایک لہر ہی آئی اور گئی۔ دولت کے واسطے بڑے بڑے خوف و خطر ہیں۔ بس جس آدمی کو خدا نے فراغت معاش[9]

---

[1] لالچ۔ [2] آسودگی۔ [3] بیج۔ [4] بُرائی۔ [5] خوبصورتی۔ [6] بل۔ [7] ادب کرنا۔ [8] یکایک [9] روزی کمانے کا طریقہ۔ ۱۲

دی ہو اُس کو چاہیئے کہ غنیمت سمجھ کر شکر کرے۔ نہ یہ کہ گھمنڈ[1] میں آجائے۔ اور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھے بڑے سے بڑے دولت مند جن کے گھروں میں اشرفیوں کے ہنڈے گڑے تھے ناگہاں ایسی چوری ہوئی یا نیل یا روئی کا ایسا بھاؤ بگڑا کہ اگلے دن دیوالہ[2] نکال بیٹھے مکانوں کا کرایہ ہو، ایسا اتفاق ہوا کہ مکان گرنے شروع ہوئے اور کرایہ دار روئے نا دہندی اختیار کی، آمدنی بند ہوگئی۔ زمینداری ہو، ایک سال[3] خشکی پڑی، پہلے برس مطلع[4] صاف ہوگیا۔ کس کو خبر تھی کہ غدر[5] ہوگا۔ بیٹھے بٹھائے کھڑا ہوگیا اور بڑے بڑے امیروں کو ایسا کر گیا کہ اب بھیک مانگے نہیں ملتی۔ آنکھوں دیکھتے ایسے انقلاب[6] ہزار ہا دیکھتے ہیں کہ امیر غریب ہوتے ہیں اور غریب امیر ہوتے ہیں۔ بس کیا اعتبار ہو دولت کا۔ گھروں میں کمانے والا اکثر ایک شخص ہوتا ہے۔ آج اُسی کی آنکھ بند ہوئی یا نوکری چھوٹ گئی، چلو فراغت ہوئی۔ دُنیا اور دُنیا کی تمام حالتیں نہایت ناپائیدار اور بے ثبات[7] ہیں ہرگز خیال کرنا نہیں چاہیئے کہ سدا زمانہ اسی طرح چلا جائے گا۔ جو دن عافیت[8] سے گزر گیا ہزار شکر ہے۔ دولت پاکر علجزی اور انکساری[9] بڑی ہمت اور بڑے حوصلے والوں کا کام ہے۔ اوچھے کم ظرف ہیں وہ لوگ جو ذرا سی فراغت کو ضبط نہیں کرتے اور اُبل پڑتے ہیں۔

حسن و خوب صورتی کا بھی بڑا غرور ہوتا ہے۔ کسی بے چارے کی آنکھ کانڑی ہے، یا آنکھ میں ٹینٹ ہے، یا ناک چپٹی ہے، یا ہونٹھ موٹے ہیں اس پر ہنسنا یا اُس کو چھیڑنا سخت معیوب بات

---

[1] غرور۔ [2] اپنی مفلس ہوگئے۔ اگلے زمانے میں جب کوئی ساہوکار مفلس ہوجاتا تھا تو وہ دن کو دُکان میں چراغ جلاتا تھا اُس سے معلوم ہوجاتا تھا کہ اُس شخص کے پاس کچھ نہیں ہے اور چوں کہ چراغ کو دیوا کہتے ہیں اس واسطے ایسے شخص کو دیوالیہ کہنے لگے۔ [3] قحط سوکھا جب پانی نہ برسے۔ [4] یعنی کچھ نہ رہا۔ [5] غدر سے مراد وہ بغاوت جو ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں سرکاری فوج نے کی تھی۔ [6] اُلٹ پلٹ۔ [7] بے قیام [8] امن تندرستی [9] عاجزی کرنا۔

خوب صورتی کی حالت کو بھی استقرار[1] نہیں۔ اس وقت ہم تم کو بتا سکتے ہیں کہ فلانی لڑکی لڑکپن میں بہت پیاری پیاری لگتی تھی چیچک نکلی عجب طرح کا ہیبت[2] ناک چہرہ ہو گیا کہ دیکھنے سے ڈر معلوم ہوتا ہی نہ چہرے میں وہ دمک[3] ہی نہ گالوں میں وہ سُرخی کہ گویا ہم رنگ گلاب کے پھول تھے۔ اب آدھ سیر گوشت ہو تو چہرے پر رفو کیا جائے۔ ابھی ایک پھوڑا نکل آئے ناک کے ناک گڑا ہو جائے۔ تمام خوب صورتی بات کی بات میں غارت ہو۔ اور مانا کہ خدا نے ان آفتوں سے بھی بچایا تو آخر یہ رنگ روغن چند روزہ ہی مردوں میں شاید تیس برس کی عمر تک اور عورتوں میں اگر اولاد ہونی شروع ہوئی تو پہلے بچے تک ورنہ غایت[4] درجہ تیس برس تک اُس کے بعد تو بڑی بڑی خوب صورتوں پر مکھیاں بھنکنے لگتی ہیں۔ خیر چالیس برس تک تو کچھ صورت رہی بھی۔ اس کے بعد تو بال سفید ہونے لگے۔ نہ مانگ میں خوب صورتی رہی نہ پٹی جمانے کا مزا رہا۔ دانت الگ رخصت ہونے لگے۔ موتھ پر الگ جھرّیاں پڑنے لگیں پپوٹے الگ لٹک آئے۔ ہڈّیوں نے گوشت اور گوشت نے چمڑا چھوڑنا شروع کیا۔ نہ ہاتھ قابو کے باقی رہے نہ پاؤں۔ گردن ہی کہ آپ سے آپ ہلی جاتی ہی آواز تھرّاتی ہی۔ کمر جھُک چلی سبحان اللہ کیا ادا ہی اور کیا خوب صورتی۔ پس ایسی ناپائدار حالت پر کیا خاک کوئی ناز[5] کرے۔ جوانی کا رنگ کچّا رنگ ہی۔ جہاں بڑھاپے کی دھوپ یعنی سفیدی سر پر آئی یہ رنگ صاف اُڑ جاتا ہی۔ پھر ذرا دل میں غور کرو جو لوگ بدصورت ہیں وہ بھی خدا کی خلقت[6] میں ہیں جیسا خدا کو پسند ہوا اُن کو بنایا۔ اُن پر تم ہنستے ہو تو خدا کے بنانے پر اعتراض کرتے ہو۔ یہ کیسی بے ایمانی کی بات ہی جس نے اُس کو بدصورت بنایا وہ تم کو بھی دم کے دم میں اُسی آدمی سے بدتر کر سکتا ہی۔ اور ہم نہیں جانتے کہ خوب صورتی کیا بلا ہی۔ کیا بڑی آنکھ میں زیادہ نور

---

[1] ٹھیرنا۔ قرار پکڑنا۔ [2] ڈراؤنا۔ [3] چمک۔ [4] حد درجہ۔ [5] گھمنڈ۔ [6] پیدائش۔

ہوتا ہی بہ نسبت چھوٹی آنکھ کے؟ اور کیا پتلی اور اُٹھی ہوئی سیدھی ناک کی قوت شامّہ[1] زیادہ تیز ہوتی ہو بہ نسبت موٹی چھوٹی چپٹی ناک کے؟ اعضا[2] سے جو اصل فائدہ ہی سب میں یکساں حاصل ہی۔ زور کا غرور خاص کر جوانوں کو ہوتا ہی۔ شباب[3] کا وقت، ہاتھ پاؤں میں طاقت، کسی کو مالِ[4] موجود نہیں سمجھتے لیکن زور ایسی چیز ہی کہ ناچیز اور ذلیل جانوروں میں آدمی سے زیادہ ہی۔ بڑے زبردست پہلوان پر دو گٹھے لکڑی لاد دو اور کہو کہ آکا[5] ٹھو یقین ہی کہ لکڑیوں کے بوجھ میں آکا سے ہلا بھی نہ جائے۔ لیکن گدھا ایسے ایسے چار گٹھے خوشی سے اُٹھا لیتا ہی۔ آکا تو دودھ ملائی خدا جانے دنیا کی کیا کیا نعمتیں کھاتے ہیں اور دو گٹھے لکڑیوں کے نہیں سہار سکتے۔ بے چارہ گدھا گھاس پھوس کھاتا اور سوکھے ٹھٹیرے[6] چباتا اور اُن سے زیادہ طاقت رکھتا ہی۔

ایک پہلوان شیخی بگھار رہا تھا کہ میں پانی کا بھرا ہوا چرس[7] سنبھال سکتا ہوں۔ چرس کھینچنے والے نے جواب دیا کہ آپ تو سنبھال سکتے ہیں اور یہ میری بدھیا تمام دن چرس کھینچا کرتی ہی۔ پھول[8] والوں کے میلے میں بارہ روپیے کو لی تھی اس کو پندرہ برس ہو چکے!! بس ایسی بات پر گھمنڈ جس میں جانوروں کو ہم پر ترجیح[9] ہو ان کو نہایت نازیبا ہی۔ پھر جیسے حسن کا اعتبار نہیں زور کا اس سے زیادہ اعتماد نہیں۔ ایک دن کی تپ میں تو بڑے زبردست کی چولیں ڈھیلی ہو جاتی ہیں۔

غرض اس طولِ مقال[10] سے یہ ہی کہ ذات یا دولت یا حسن یا زور کوئی چیز گھمنڈ کرنے کے

---

[1] سونگھنے والے۔ [2] جمع عضو کی بمعنی جوڑ بند۔ [3] جوانی۔ [4] وقعت۔ [5] بڑے بھائی۔ [6] ٹکڑے۔ [7] یورپ میں کُوپڑ کہتے ہیں۔ [8] یہ شہر دہلی کا ایک مشہور میلہ ہی قطب صاحب میں سال کے سال برسات میں ہوا کرتا ہی اور چونکہ پھول کے پنکھے اُن کے مزار پر چڑھاتے ہیں اس وجہ سے پھول والوں کی سیر کہلاتی ہی۔ [9] غلبہ۔ [10] لمبی گفتگو۔

لائق نہیں۔ اگر کوئی ذات کا شریف بھی ہو تو کیا؟ یا کوئی بہت خوب صورت، پری دم ہو تو کیا؟ یا کوئی دم خم[1] درست، بڑا اشہ زور ہو پہلوان ہو تو کیا؟ صرف علم و ہنر ایک چیز قابل ناز ہو۔ اشراف بے علم گویا لنگڑا گھوڑا ہو جس سے گدھا بہتر کہ بوجھ لادو مزے میں کھٹ کھٹ بھاگا چلا جاتا ہو۔ آنکھ ناک سب درست اور علم نہیں گویا گوبر پر ملمع[2]۔ جب کھول کر دیکھو بدبو۔ زور ہوا اور لیاقت نہیں تو کس کام کا؟ دولت مند بے لیاقت، گدھا ہی جس پر طلائی[3] جھول اُڑھا دی ہی، آخر گدھا ہی۔ لیکن واضح[4] ہو کہ علم و لیاقت رکھ کر بھی تکبّر جائز نہیں۔ غریبی اور عاجزی، خاکساری، تواضع، خدا اور خلق خدا سب کو پسند ہی۔ گھمنڈ، تکبر، خود بینی[5] خود پسندی سے خدا اور خلق خدا راضی نہیں۔

ڈرپوک ہونا

خوف ایک بیماری ہی جو ماں باپ کی بے تدبیری سے ابتدائے عمر میں بچّوں کے دل میں بیٹھ جاتی ہی۔ جب بچّے روتے اور دق کرتے ہیں تو منظور ہوتا ہی کہ کسی طرح سو جائیں۔ کبھی تھپک دیا، کبھی لوری[6] دی، کبھی سر سہلایا، کبھی جھولے میں لٹا دیا، کبھی کندھے لگا کر آہستہ آہستہ ٹہلنا شروع کیا۔ اگر نیند کا وقت ہوتا ہی تو ان تدبیروں سے بچّے سو جاتے ہیں ورنہ لوری سنتے ہیں نہ ٹہلنا مانتے ہیں تب اُن کو ہیّا اور ہنچو اور بی شادی اور اللہ کے فضل وغیرہ سے ڈراتے ہیں۔ یہ چیزیں سب فرضی اور بنائی ہوئی ہوتی ہیں ورنہ حقیقت میں نہ ہیّا کوئی چیز ہی نہ ہنچو۔ لیکن از بسکہ بچّے بے عقل ہوتے ہیں جہاں ڈراؤنی آواز بنائی سہم کر چپ ہو جاتے ہیں

[1] دم خم سے مراد یہ ہی جس کا بدن تیار اور کسرتی ہو۔ [2] قلعی۔ [3] سنہری۔ [4] ظاہر۔ [5] گھمنڈ۔ [6] ایک قسم کا راگ جس میں بچّوں کو سلایا جاتا ہی۔

اس طرح یہ خوف کی جڑ دل میں پیدا ہو جاتی ہی بے شک آدمی کو اپنی جان کی حفاظت فرض ہی۔ خصوصاً لڑکوں کو زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ اندھیرے میں اکیلے نہ جائیں۔ بلکہ خالی مکان میں بھی تنہا جانا مناسب نہیں۔ لیکن یہ ممانعت تم کو اس وجہ سے نہیں کی جاتی کہ خالی مکان میں یا اندھیرے میں کوئی بھوت بیٹھا ہوتا ہی۔ بھوت کی کچھ اصل نہیں۔ یہ بھی ایک طرح کی ہیچا لوگوں کے ہوا ہی نے بنا رکھی ہی۔ جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہی وہ ہر وقت ہماری حفاظت کرتا ہی ہم سوتے ہیں اور خدا کے فرشتے ہم پر پہرہ دیتے ہیں۔ بلکہ چلتے پھرتے ہیں ٹھوکر لگ جاتی ہی تو خدا کے فرشتے ہم کو سہارا لگاتے اور سنبھالتے ہیں پس ہم کو زیادہ حاجت درکار نہیں ہی۔ دنیا میں بہت چیزیں ہماری جان کی دشمن ہیں سانپ، بچھو، شیر، بھیڑیا وغیرہ۔ لیکن گو ہمارے دشمن بعض بعض ہم سے طاقت زیادہ رکھتے ہیں۔ ہم کو خدا نے عقل کی طاقت بخشی ہی جس کے زور سے آدمی ہاتھی جیسے بڑے جانور کو مطیع اور فرماں بردار بنا لیتا ہی۔ شیر اور چیتے کو پنجرے میں بند کرتا ہی۔ مرکھنے بیلوں کی ناک میں ناتھ اور اونٹ کی ناک میں نکیل ڈالتا ہی۔ گھوڑے کے منہ میں لگام دیتا ہی۔ اور سب جانوروں سے خدمت کراتا اور کام لیتا ہی۔ چوں کہ عقل کے ہتھیار ہمارے پاس ہیں ہمارا رعب اور خوف دنیا کے جانوروں پر غالب ہی۔ بڑے چھوٹے سب جانور کاٹنے والے اور پھاڑنے والے ہم سے ڈر کر بھاگتے ہیں بھیڑیئے اور شیر جنگلوں میں رہتے ہیں۔ سانپ بلوں میں۔ اگر بھوت واقع میں کوئی چیز ہی تو وہ ہم سے ایسا ڈرتا ہی کہ نہ جنگل میں ہی نہ بل میں بلکہ صرف وہم کرنے والے کے دل میں پس ایسی چیز سے ڈرنا یا اس کو موجود سمجھنا نہایت درجہ کی نادانی ہی۔ ہم نے تم کو اندھیرے اور خالی مکان میں جانے سے اس واسطے منع کیا کہ شاید کوئی موذی جانور بیٹھا ہو اور تم اس کے دفع پر قادر نہ ہو سکو

لہ اصل۔ ٹہ چوں کہ سہ وہم۔ کہ مارنے والے۔ شہ دبا۔ لہ ایذا دینے والا۔ شہ دور کرنا۔

اور وہ چوٹ کر بیٹھے۔ ان جانوروں سے ڈرنا تو ضرور ہی لیکن دل سے نئی نئی چیزیں بنا کر ناحق خوف زدہ[1] رہنا سراسر بے وقوفی ہی۔

بے حیائی

حیا کے اعتبار سے لڑکے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول درجے میں وہ لڑکے جو ڈنگا یا شرارت کوئی بُری بات نہیں کرتے۔ اور جب کوئی بد لڑکا اُن کو آمادۂ شرارت یا بدی کرتا ہی یا خود اُن کے دل میں باقتضائے عمر[2] ارادہ پیدا ہوتا ہی تو صرف یہ خوف اُن کو اس فعل[3] سے باز[4] رکھتا ہی کہ مبادا[5] ہمارے ماں باپ یا بزرگوں کو خبر ہو جائے اور پھر غیرت کے مارے ہم کو سامنے جانا مشکل ہو۔ دوسرے وہ لڑکے جو ماں باپ اور بزرگوں کا اتنا لحاظ نہیں کرتے بلکہ اُن کو زبان سے منع کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہی کہ خبردار ایسی بات مت کرنا، یہ حرکت بہت بُری ہی۔ تیسرے وہ لڑکے جو کہنا نہیں مانتے اور ماریں کھاتے ہیں۔ ایسے لڑکے بے حیا ہوتے ہیں اور ان سے بڑھ کر وہ ہیں جن پر مار کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ رات دن جوتی لات ہوا کرتی ہی اور پھر چکنے گھڑے یہ بوند پڑی اور پھسل پڑی[6]۔ خدا ایسے بچوں کا موںھ نہ دکھائے۔

حسد

حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کو اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے دیکھ کر ناخوش ہونا جس کو کہتے ہیں کہ وہ ہم کو دیکھ کر جلا مرتا ہی۔ یہ مرض عالمگیر[7] ہی۔ کُنبے اور رشتے کے لوگوں میں اکثر

---

[1] ڈرا ہوا۔ [2] بات یہ ہی کہ عمر اس بات کو چاہتی ہی۔ [3] کام۔ [4] روکتا۔ [5] ایسا نہ ہو۔
[6] یعنی بے غیرت۔ [7] تمام دُنیا میں پھیلا ہوا۔

دیکھتے ہیں کہ جہاں کسی کو خدا نے زیادہ فراغت دی یا کسی نے نام و نمود[1] پیدا کیا رشتہ داروں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہیں! اب ان کے گھر میں یہ چین ہو! یوں اچھے سے اچھا کھاتے اور پہنتے اور سونے چاندی میں لدے پھرتے ہیں! ان کا مکان اتنا بڑا ہی! ان چیزوں سے بڑھ کر اولاد پر حسد ہوتا ہی۔

دو حقیقی بھائی ایک کے اولاد کم اور ایک کے زیادہ۔ یا ایک کے لڑکیاں اور دوسرے کے لڑکے یا ایک کے ہی اور دوسرے کے نہیں۔ اب بھائی بھائی کو دیکھ نہیں سکتا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کا انتظام سب ان کی مرضی اور رائے کے موافق ہو۔ دو بھائی ہوں تو جیسے ورثے اور تر کے[2] میں برابر ہیں، رزق بھی دونوں کو برابر دیا جائے، اولاد بھی برابر ہو بلکہ دونوں کے گھر ایک دن پیدا ہوا کرے ورنہ اولاد کی عمر پر حسد ہوگا، وہ کہیگا بھائی کا بیٹا تو جوان ہوا برابر کماتا ہی اور میرا بیٹا ابھی تک دودھ پیتا ہی، ابھی اس کے دانت نکلے ہیں، چیچک نکلتی ہی۔ کس نے دیکھا ہی کہ ان آفتوں سے بچّے یا نہ بچے۔ غرض دونوں بھائیوں کی تمام حالت یکساں ہو۔ ایسے لوگ خدا کی حکمت میں دخل دیتے اور اُس کے انتظام کو ناپسند کرتے ہیں۔ بے وقوفی کے علاوہ ایسے لوگ در پردہ[3] بے ایمانی بھی رکھتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان درست ہوتا تو وہ جانتے کہ رزق ہو یا اولاد، رنج ہو یا خوشی، سب تقدیر کی بات ہی۔ اور خدا کی مرضی اور اُس کے حکم سے ہی اور جو اُس کا حکم ہی عین انصاف ہی۔

لڑکوں میں حسد اس طرح شروع ہوتا ہی کہ اگر ایک بھائی کو ایک مٹھی چنے یا دو سنگھاڑے یا مٹھائی کی ایک ڈلی بھی زیادہ دی جائے دوسرا ہی کہ لڑ مرتا ہی کہ ہیں۔ میں برابر لوں گا کم و بیش کیوں ہی؟ اس سے یقین ہوتا ہی کہ جب یہ بڑے ہوں گے تب بھی برابری کا

---

[1] مشہور ہوا۔ [2] وہ مال جو مرے ہوئے سے ملتا ہی۔ [3] پوشیدہ۔

دعویٰ رکھیں گے۔ آج ماں باپ کی تقسیم[۱] پر اعتراض کرتے ہیں کل کو بڑے ہو کر خدا کی تقسیم پر ضرور اعتراض کریں گے۔

انسان کو چاہیئے کہ اپنی حالت پر قانع رہے۔ جس حالت میں خدا نے رکھنا پسند کیا ہی وہی مصلحت[۲] ہی اگرچہ ہم اپنی بدعقلی سے اُس مصلحت کو نہیں سمجھ سکتے۔ تم لڑکو! ماں باپ کو اپنا مالک جانو۔ جو اُنھوں نے دیا خوشی سے لیا شکوہ[۳] مت کرو۔ کوئی تو وجہ ہی کہ ماں باپ نے تم کو کم دیا ہی۔ شاید وہ چیز زیادہ تم کو نقصان کرتی، یا تم کو کسی اور چیز میں زیادہ حصّہ مل چکا ہی، یا دینا منظور ہی حسد کی بنیاد ہمیشہ عداوت ہوتی ہی یعنی جس شخص سے تم کو پہلے سے دشمنی ہی اُس کے نفع سے تم کو ناخوشی ہوتی ہی۔ اب تم ذرا اپنی اور اپنے دشمن کی حالت پر غور کرو اُس کو کامیابی کی مسرّت[۴] ہی اور تم کو حسد کی کلفت[۵]۔ پس دشمن جیت میں ہی اور تم ہار میں۔ یہ کیسا بُرا پہلو[۶] تم نے اختیار کیا حسد کی کلفت تم کو دشمن نے تو ہرگز نہیں پہنچائی۔ کیوں کہ یہ تو ایک خیالی تکلیف ہی اور خیال خود تمھارے دل سے پیدا ہوا پس تم آپ اپنے دشمن ہو کہ اپنے تئیں تکلیف دیتے ہو۔

وقت

زندگی کا تو مذکور نہیں کہ اُس کو خداوند تعالیٰ نے اپنے خاص بد[۷] قدرت میں رکھا ہی جس کی جس قدر حیات خدا نے مقرر کر دی ہی اگر دنیا کے تمام بادشاہ، تمام حکیم، تمام طبیب جمع ہو کر ایک پل[۸] زیادہ کرنا چاہیں تو ممکن نہیں۔ لیکن زندگی کے سوا دُنیا میں جو نقصان ہی اُس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہی مگر نہیں ہی تو وقت کی۔ جو گھڑی گزر گئی وہ کسی طرح پھر تمھارے

---

۱ بانٹنا۔ ۲ بہتر۔ ۳ گلا۔ ۴ خوشی۔ ۵ رنج۔ ۶ طریقہ۔ ۷ ہاتھ۔ ۸ دم۔ لا۔

قابو میں نہیں آسکتی۔ اور وقت کے گزرنے پر جو غور کرو تو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ[1] نہیں دی جاسکتی۔ وقت ریل سے زیادہ تیز ہی۔ ہوا سے بڑھ کر اڑنے والا۔ بجلی سے سوا بھاگنے والا اور ایسا دبے پاؤں نکلا جاتا ہی کہ خبر نہیں ہوتی۔ صبح ہوئی۔ سو کر اٹھے جب تک معمولی ضرورتوں سے فراغت حاصل کرو، ذرا ناشتہ وغیرہ کھاؤ پیو، پہر دن چڑھ آیا۔ پھر گھڑی دو گھڑی ادھر اُدھر اٹھے بیٹھے گپ شپ[2] اڑائی تو دس بجنے کو آئے۔ مدرسے جانے کو دیر ہوتی ہی۔ جلدی جلدی کھایا پیا مدرسے گئے۔ وہاں دوستوں سے ہنسی مذاق کرتے رہے[3]۔ مدرس[4] صاحب کی تاکید سے دو ایک مرتبہ بُری بھلی طرح سبق پڑھا۔ چلو شام ہوئی۔ دن رخصت ہوا۔ گھر آئے تو پھر کھانے کی سوجھی۔ غذا پیٹ میں گئی اور کسل[5] پیدا ہوا۔ ذرا لیٹے تو پھر صبح موجود۔ کام تو کچھ بھی نہ ہوا۔ لیکن آٹھ پہر اور چوبیس گھنٹے گزرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے اور ایک آٹھ پہر اور ایک چوبیس گھنٹے کیا ایسے ایسے صدہا آٹھ پہر اور ہزاروں چوبیس گھنٹے اسی طرح گزرتے جاتے ہیں۔

بیت

صبح ہوتی ہی شام ہوتی ہی عمر یوں ہی تمام ہوتی ہی

جب وقت کی بے ثباتی[6] کا یہ حال ہی اور جو وقت گزرا وہ ہمارے اختیار سے باہر ہوا تو نہایت ضرور ہوا کہ جس وقت پر ہمارا اختیار ہو اُس کو ضائع نہ ہونے دیں۔ یہی وقت ہی کہ سونے اور کھیلنے میں بھی گزر جاتا اور آدمی کو سست اور کودن اور غبی اور آوارہ و عیاش[7] اور ذلیل اور رسوا[8] اور خوار اور بے اعتبار اور محتاج اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا

---

[1] کسی دوسری شے سے مثال دینا۔ [2] باتیں کیں۔ [3] دل لگی۔ [4] سبق پڑھانے والا اُستاد۔ [5] سُستی۔
[6] یعنی ٹھیراؤ کا نہ ہونا۔ [7] عیش پسند۔ بڑا عیش کرنے والا۔ [8] ذلیل۔

اور طرح طرح کی بد اخلاقیوں میں گرفتار کر دیتا ہے اور یہی وقت ہے کہ اگر اس کو اچھے شغل اچھے کام اچھی بات میں لگایا جائے تو انسان کو عالم، فاضل، لائق، ہنرمند، نامور[1] موقر[2] محترم[3]، نیک، ہر دل عزیز، خوش عیش، مستغنی[4] اور طرح طرح کی خوبیوں بھلائیوں سے بھرا ہوا بنا دے سکتا ہے۔

اے لڑکو! یہ فراغت کا وقت جو تم کو اب میسر ہے بس غنیمت سمجھو۔ اب نہ تم کو کھانے کی فکر ہے نہ کپڑے کا سوچ۔ جو کچھ تم سے سیکھتے اور حاصل کرتے بن پڑے لگ لپٹ کر جلد جلد سیکھ سا کھ لو، آیندہ تمھارے کام آئے۔ ورنہ پھر کہاں تم اور کہاں یہ فراغت! اس وقت کو تم سر پیر[5] ہات رکھ کر روؤ گے اور رونا کچھ سودمند نہ ہوگا، بہت پچتاوگے اور پچتانا کچھ فائدہ نہ بخشے گا، بہت افسوس کروگے اور افسوس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ وقت جو تم کو اب حاصل ہے مثل اُن وقتوں کے نہیں ہے جو جوانی اور پیری[6] میں تم کو آیندہ پیش آئیں گے۔ لڑکپن کا وقت جوتنے اور بونے کا وقت ہے اور جوانی و پیری گاہنے اور کاٹنے کا۔ اگر اس وقت میں تم کچھ جوت بو رکھو گے تو جوانی اور پیری میں گاہ اور کاٹ سکو گے۔ اس وقت کے ہونے سے تم بڑے سخت امتحان میں ہو۔ چاہو تو اس وقت کو اس طرح صرف کرو کہ جوانی اور پیری دونوں میں آرام و آسائش سے رہو اور چاہو اس وقت کو ایسا اکارت کرو کہ جوانی بھی خراب ہو اور پیری بھی برباد ہو۔ ایک وقت وہ آرہا ہے کہ تم فرصت کو ڈھونڈوگے اور فرصت کا پتہ نہ پاؤگے، اور فراغت کو تلاش کروگے اور فراغت کا سُراغ[7] نہ ملے گا۔ یہ وہ وقت ہوگا جب دُنیا کا بار[8] تمھاری پیٹھ پر لدا ہوگا خانہ داری کے

---

[1] عزت دالا۔ [2] حرمت والا۔ [3] مال دار بے پروا۔ [4] پچتاوگے۔ [5] بڑھاپا۔ [6] پتہ۔ [7] بوجھ۔

بکھیڑوں میں تم اس طرح پھنسے ہوگے جس طرح دلدل میں گدھا۔ ایک طرف تو فکرِ معاش[1] تم کو سر کھجانے کی مہلت نہ دے گی۔ دوسری طرف انتظامِ تعلقات تم کو دم نہ لینے دے گا۔ اُس وقت کسب و کمال کا کیا مذکور اگر حواس بر جا[2] رکھ کر اُن ہی کاموں سے عہدہ[3] برا ہو جاؤ تو صد آفریں[4]۔ پس یہ خیال ہرگز ہرگز اپنے دل میں مت آنے دو کہ ابھی سیکھنے کا بہت وقت آرہا ہی۔ ایسی کیا بھاگڑ مچی ہی کہ رات دن لکھنے پڑھنے کے پیچھے کوئی مر مٹے۔ اگلا حال کچھ کسی کو معلوم نہیں۔ کون جانے کہ تندرستی رہے یا نہ رہے، زمانہ فرصت دے یا نہ دے، یہ سب سامان جواب مہیا[5] ہی میسر ہو یا نہ ہو بے شک وقت کی قدر و قیمت اور اُس کی بھاگا بھاگ تو یہ چاہتی ہی کہ خواب و خور اپنے اوپر حرام کر کے رات دن کتاب پر سے سر نہ اُٹھاؤ۔ لیکن انسان کی طبیعت کو خدا نے تازگی پسند کیا ہی کیسا ہی کوئی دلچسپ شغل ہو ایک عرصے کے بعد ضرور اُس سے جی گھبرا اُٹھتا ہی اور طبیعت اکتانے[6] لگتی ہی اور اگر طبیعت کو مجبور کر کے اُس کام پر لگائے رہو تو وہ کام بھی اچھی طرح نہیں ہوتا اور حواس بھی کُند اور غبی ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے مناسب ہی کہ شغلِ مطالعۂ کتاب ایسے اعتدال کے ساتھ جاری رکھو کہ تندرستی کو خلل نہ پہنچے اور ہمیشہ چند قسم کا شغل رکھو۔ مثلاً نظم و نثر، تاریخ، جغرافیہ، حساب ایک ساتھ پڑھو۔ جب نثر سے طبیعت ملول ہوئی نظم دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر تاریخ پڑھی۔ کچھ دیر جغرافیہ کی سیر کی۔ پھر حساب میں طبع آزمائی کی۔ ان سب سے گھبرائے تو کچھ لکھنے بیٹھ گئے۔ جب رات کو سونے لگو تو التزام[7] کے ساتھ جی میں حساب کرو کہ آج ہم نے کونسی نئی بات حاصل کی۔ اگر معلوم ہو کہ آج کچھ نہیں سیکھا تو جانو کہ دن رائیگاں گیا

---

[1] دنیا کے کاروبار کا فکر۔ [2] قائم۔ [3] درست۔ [4] سبکدوش۔ [5] شاباش [6] موجود۔ [7] اُچاٹ۔ [8] پابندی۔

اور اُس نقصان کی تلافی[1] اپنے ذمّے لازم سمجھو۔ کیا خوب فرمایا ہی۔ جس کے دو[2] دن برابر ہوں یعنی ایک شخص جیسا کل تھا آج بھی ویسا ہی رہے۔ اور اپنی حالتِ روزمرہ[2] میں ترقی نہ کرے تو وہ خسارے[3] میں ہی۔

دُنیا کا مختصر حال

یہ زمین جس پر ہزاروں شہر اور لاکھوں گاؤں بستے ہیں بہت بڑی ہی اور گیند کی طرح گول ہی۔ لیکن بڑے ہونے کے سبب اس کی گولائی آنکھ سے نہیں معلوم ہوتی۔ علم کے زور سے دانشمندوں[4] نے معلوم کیا ہی کہ گول ہی۔ اور کتابوں میں بڑی بڑی مضبوط دلیلوں سے بخوبی گول ہونا ثابت کر دیا ہی۔ جب تم بڑے ہو کر اُن کتابوں کو پڑھو گے تو جان لوگے کہ گول ہی۔ اس سے زیادہ ایک عجیب بات یہ ہی کہ آفتاب[5] کے گرد گھومتی ہی۔

زمین کے چار ٹکڑے ہیں۔ تین ٹکڑے تو سمندر کے پانی سے ڈوبے رہتے ہیں۔ چوتھا جس کو رُبع مسکون یعنی چوتھائی آبادی کہتے ہیں اس چوتھائی میں جو پانی سے کھلا ہی سب شہر اور بستیاں اور گاؤں اور جنگل اور پہاڑ ہیں۔ اس سے قیاس کرلو کہ جب چوتھائی حصّہ اتنا بڑا ہی کہ تمام دُنیا اُسی میں بستی ہی تو تمام زمین کتنی بڑی ہوگی۔ کہیں کہیں سمندر کے بیچ میں بھی بستیاں ہیں۔ آس پاس پانی اور بیچ میں اونچی زمین کُھلی ہوئی جس کو جزیرہ اور ٹاپو کہتے ہیں۔ سمندر میں بعض جگہ بہت پانی ہی۔ سمندر زیادہ سے زیادہ چھ کوس تک گہرا ہی۔ بڑے بڑے اونچے پہاڑ پانی میں ڈوبے ہیں جن پر بھٹکا ہوا جہاز ٹکّر کھا کر تباہ ہو جاتا ہی۔ سمندر میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں اور دریائی جانور لاکھوں طرح کے رہتے ہیں۔

---

[1] بدلا۔ [2] کل کا دن گزرا ہوا۔ [3] نقصان [4] عقلمندوں [5] سورج۔

سمندر کئی جگہ اس طرح پر بیچ میں آپڑا ہی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں سمندر اُترنا پڑتا ہی۔ مثلاً دہلی سے کوئی عرب کو حج کرنے جائے تو بمبئی تک خشکی میں اور وہاں سے عدن تک سمندر سمندر جاتے ہیں جس طرح دریاؤں میں تم نے کشتیاں چلتے دیکھیں۔ سمندر میں ایسی چھوٹی کشتیاں کام نہیں کرتیں، ایک موج[1] میں اُلٹ پلٹ جائیں اس واسطے سمندر میں جہاز چلتے ہیں۔ جہاز بھی کشتی ہی مگر بہت بڑی۔ یہاں تک کہ بعضے جہاز ایک چھوٹے محلے کے برابر ہوتے ہیں۔ سمندر کا پانی بہتا نہیں بلکہ ٹھہرا ہوا ہی یہ سب دریا اور ندیاں سمندر میں گرتی ہیں لیکن ان کا پانی سمندر میں ایسا ہی جیسے بڑی گول[2] میں ایک چمچہ پانی۔ پس دریاؤں کے گرنے سے سمندر میں کچھ طغیانی[3] نہیں ہوتی لیکن پندرہ دن خود بخود سمندر کا پانی چڑھا اُترا کرتا ہی۔ اس چڑھاؤ اُتار کو عربی میں مدوجزر اور دیس کی بولی میں جوار بھاٹا کہتے ہیں عقل مندوں نے مدت تک اس میں غور کیا کہ خود بخود یہ چڑھاؤ اُتار سمندر میں کیوں ہوا کرتا ہی۔ آخر کو معلوم ہوا کہ چاند جوں جوں بڑھتا ہی اُس کی کشش[4] سے سمندر کا پانی بڑھا کرتا ہی پھر آخر مہینے میں چاند کے ساتھ گھٹا کرتا ہی۔ سمندر کا پانی کھاری ہی پینے کے لائق نہیں ہوتا۔ سمندر میں مچھلیوں کے علاوہ جواہرات نکلتے ہیں جو ہزاروں روپیہ قیمت پاتے ہیں۔ صدف یعنی سیپ جانور ہوتا ہی اور یہ سیپی جو تم دیکھتے ہو اُس جانور کا خول ہی۔ اس جانور کے پیٹ میں سے موتی پیدا ہوتا ہی۔ موتی چھوٹے بڑے سب طرح کے ہوتے ہیں۔ بھاری اور بڑے اور خوش رنگ موتی کی بڑی قیمت ہوتی ہی۔ جہازوں کی راہ آدمی اور ہر طرح کا مال تجارت سمندر پر چلتا ہی۔ جہازوں میں سب سے عمدہ دخانی جہاز ہوتا ہی۔ وہ پانی کی ریل ہی بھاپ کی

---

[1] لہر۔ [2] پورب میں اس کو مٹکا کہتے ہیں۔ [3] دریا کا چڑھاؤ۔ [4] کھینچ۔

طاقت سے بہت تیز چلتا ہے۔ دوسرے جہاز ڈانڑے اور چپّو سے کھینچتے ہیں یا مستول[1] پر بادبان باندھتے ہیں کہ ہوا اُن میں بھر کر جہاز کو چلاتی ہے۔ پس اگر مشرق کو جانا ہو اور ہوا بھی پچھوا ہو تو بادبان بہت کام آتا ہے۔ لیکن اگر پُروا ہوا ہوئی تو بادبانی جہاز اُلٹا چلنے لگتا ہے۔ دخانی جہاز میں اپنی ذاتی قوت ہوتی ہے۔ وہ ہوا کا محتاج نہیں۔ گرمی کے دنوں میں جب آندھیاں زور شور سے آتی ہیں تو ہوا کے جھکولوں سے سمندر کا پانی لہریں لیتا ہے۔ اُس کی لہریں غضب کی لہریں ہوتی ہیں جن میں جہاز اکثر ڈوب جاتے ہیں۔ سمندر کے راستے ناخدا یعنی جہاز چلانے والوں کو معلوم ہوتے ہیں کبھی اٹکل سے اور کبھی ستاروں کے پتے سے اور کبھی قبلہ نما[2] کے ذریعے سے سمت معلوم کرتے ہیں۔ انگریز مقناطیس کام میں لاتے ہیں۔ یہ ایک لوہا ہوتا ہے اس کی خاصیت ہے کہ ہمیشہ شمال و جنوب یعنی اُتّر دکھن کو رہتا ہے۔ سمت معلوم کرنے کے واسطے بہت اچھی چیز ہے بے شک سمندر میں ڈوبنا بڑے خوف کی بات ہے۔ لیکن سفرِ دریا سے ڈرنا عقل کے خلاف ہے۔ اس طرح کے اتفاقات زمین پر خشکی میں بھی پیش آجاتے ہیں جن سے آدمی ناگہاں مر جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی مکان گرا سب گھر والے دب کر سوتے کے سوتے رہ گئے۔ آگ یکایک لگ گئی محلّے کا محلّہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ پس کیا لوگ ایسے اتفاقات سے مکانوں میں اُٹھنا بیٹھنا یا شہروں کا رہنا چھوڑ دیتے ہیں؟ اسی طرح جہاز کا ڈوبنا بھی ہمیشہ نہیں ہوتا۔ شاذ و نادر کبھی ہوتا ہے۔ پھر بھی لاکھوں جہاز رات دن سمندر میں چلا کرتے ہیں۔

انگریزوں کی ولایت سمندر پار ہے۔ دیکھو انگریزی اسباب ہر طرح کا اور انگریز اور اُن کی

---

[1] کشتی یا جہاز میں ایک لمبا ستون ہوتا ہے جس میں بادبان باندھ دیا جاتا ہے کہ اس میں ہوا بھر کر کشتی یا جہاز چلے۔ [2] ایک قسم کا آلہ ہے جس سے قبلہ کا رُخ دیکھا جاتا ہے۔

عورتیں اور بچے ہمیشہ سمندر کی راہ آتے جاتے رہتے ہیں جنگی جہازوں میں فوج اور توپیں اور گولہ باروت ہوتا ہے۔ اور بادشاہوں کی دریائی فوج بھی دریا میں اسی قواعد کے ساتھ لڑتی ہے جیسے زمین پر خشکی میں جب لوگ سمندر کی راہ سفر کرتے ہیں تو کھانا پانی اپنے ساتھ رکھ لیا کرتے ہیں بلکہ ضرورت کی تمام چیزیں جہاز میں بھر لیتے ہیں تاکہ جتنے دن سمندر میں رہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہو۔ خشکی میں پہاڑ جنگل اور بستیاں ہیں

پہاڑ اکثر پتھر کے اور بعض مٹی کے بلکہ نمک کے بھی ہیں۔ پہاڑ بعض زمین کے اوپر نکلے ہوتے ہیں جن میں مہینوں کی چڑھائی ہوتی ہے اور بعض زمین دوز ہوتے ہیں جیسے دہلی کا پہاڑ جتنا کھودو پتھر نکلتا چلا آتا ہے۔ پہاڑوں میں ہمیشہ سردی رہتی ہے۔ انگریز لوگ گرمی کے دنوں میں اس ملک کی گرمی کے متحمل[1] نہیں ہو سکتے۔ اس واسطے کہ سرد ملک کے رہنے والے ہیں۔ لاجرم[2] پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں اس واسطے کہ پہاڑوں کی آب و ہوا گرمی میں نہایت اچھی، صحت بخش، فرحت خیز، روح افزا ہوتی ہے۔ دُنیا میں بہت سے پہاڑ ہیں لیکن سب میں مشہور اور اونچا ہمالیہ پہاڑ ہے جو ہندوستان کی سرحدِ شمال پر واقع ہے۔ دو ہزار کوس کا لمبا ہے اور چار کوس کا چوڑا اور تین کوس سیدھا اونچا۔ اس پہاڑ میں لندھور، ہنبی تال، منصوری، شملہ، کشمیر مشہور مقامات ہیں جہاں انگریز ہمیشہ گرمیوں میں جا کر رہتے ہیں۔ کشمیر میں انگریزوں کی عملداری[3] نہیں ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ حاکم کشمیر تھا۔ اب اُس کا پوتا مسند نشین[4] ہے انگریزوں کو خراج[5] دیتا ہے۔ کشمیر میں میوے، چاول، زعفران، شال، دوشالے خوب ہوتے ہیں لوگ کہتے ہیں کشمیر دُنیا کی بہشت ہے۔ اور سچ ہے آب و ہوا کے اعتبار سے کشمیر سے بہتر روئے زمین پر کوئی جگہ نہیں۔

---

[1] برداشت کرنے والے [2] ضرور [3] سلطنت، حکومت [4] مسند پر بیٹھنے والا [5] محصول۔

ہندوستان میں بندھیاچل، اروَلی پربت وغیرہ اور بھی پہاڑ ہیں۔ مگر ہمالیہ کی شان کو نہیں پاتے۔ پہاڑوں میں شادابی[1] بہت ہوتی ہے۔ جا بجا چشمے سرد و خوش گوار پانی کے رواں[2] ہیں۔ رنگ برنگ کے پھول کھِلے ہیں۔ جانور درختوں پر کلولیں کرتے ہیں۔ عجیب لطف ہوتا ہے۔

پہاڑوں سے جس طرح پانی نکلتا ہے آگ بھی نکلتی ہے۔ ایسے پہاڑوں کو جن سے آگ نکلے ہندو جوالا مکھی اور مسلمان کوہِ آتش فشاں[3] کہتے ہیں۔ کبھی پہاڑوں سے ایسی زور کی آگ نکلتی ہے کہ پتھروں کی بڑی بڑی چٹانیں چٹک جاتی ہیں۔ اور اُن کے صدمے سے تمام زمین ہل جاتی ہے جس کو زلزلہ اور دیہاتی بالا اور بھونچال کہتے ہیں۔ پہاڑوں میں لعل، ہیرا، فیروزہ، سُرمہ گندھک، لوہا، تانبا، سیسہ، رانگا، سیماب یعنی پارہ، سونا چاندی وغیرہ نکلتا ہے۔ اور جس جگہ سے یہ چیزیں نکلتی ہیں اُن کو کان یا کھان کہتے ہیں۔

بہت اونچے پہاڑوں پر برف پڑتی ہے۔ اور گرمیوں میں وہی برف آفتاب کی گرمی سے پگھل کر چشموں کی راہ دریاؤں میں پانی ہو کر بہتی ہے۔ بڑے بڑے دریا سب پہاڑوں سے نکلے اور سب سمندروں میں جا گرے ہیں۔ زمین کے اندر اندر ہزاروں چشمے پانی کے بہتے ہیں اور جہاں کو اکھودتے ہیں پانی نکلتا ہے۔ پانی اصل میں شیریں[4] ہے لیکن زمین میں بدمزہ مٹی اور چیزوں کے ملنے سے تلخ اور کھاری بھی ہو جاتا ہے۔

پانی گرمی پاکر ہوا بن جاتا ہے۔ ایک دیگچی میں پانی بھر کر چولھے پر رکھ دیا جائے اور آنچ کی جائے تو تھوڑی دیر میں بھاپ ہو کر پانی اُڑ جائے گا۔ لیکن یہ بھاپ پھر بھی پانی بن سکتی ہے۔ اگر چینی میں سرد پانی بھر دیا جائے تو وہی بھاپ پہلے پانی سے ہوا ہو کر اُٹھی اور

---

[1] سرسبزی [2] جاری [3] آگ برسانے والا [4] میٹھا۔

پھر پانی کے قطرے[1] بن بن کر دیگچی میں ٹپکتی جائے گی۔ اسی اصول[2] پر برسات یا گندہ بہار میں پانی آسمان سے برستا ہے۔ زمین کو دیگچی کا پیندا فرض کرو۔ آسمان بطور چپنی کے ہے اور آگ کی جگہ آفتاب۔ گرمی کی دھوپ کیسی سخت ہوتی ہے۔ جب پتھر دھوپ میں تپ جاتے ہیں تو پاؤں نہیں رکھا جاتا، سبز درخت دھوپ سے سوکھ جاتے ہیں، اناج پک اُٹھتا ہے، سایہ میں رکھا ہوا کھانا بُس جاتا ہے، یہ سب گرمی کا اثر ہے۔ آدمی اور جانوروں سے عرق[3] نکلنے لگتا ہے۔ اندر کی گرمی بدن کے سوراخوں کی راہ جن کو مسام کہتے ہیں باہر نکلتی ہے اور یہاں باہر کی سرد ہوا پاکر پسینہ بن جاتی ہے جس طرح چپنی میں بھاپ پانی بن بن کر ٹپکتی ہے۔ آفتاب کی گرمی سے سمندر کا پانی بھی پکنے لگتا ہے۔ اُس سے بھاپ اُٹھتی ہے۔ اس بھاپ کا نام بادل ہے۔ اور بادل اوپر کی طرف بلند ہوتے جاتے ہیں۔ اور اوپر سرد ہوا میں پہنچکر پانی بن کر برستے ہیں۔ گرمیوں میں زمین خوب تپ جاتی ہے اور بہت بھاپ اُس طپش[4] سے اُٹھتی ہے۔ اسی واسطے گرمیوں کے بعد برسات بڑے زور شور کی ہوتی ہے۔ اکثر دو مہینے برابر پانی برسا کرتا ہے۔ دریا، ندی، نالے اُبل پڑتے ہیں۔ پھر جاڑا شروع ہوتا ہے تو بہ نسبت گرمیوں کے آفتاب زمین سے بہت دور ہو جاتا ہے اور اسی واسطے آفتاب کی تیزی کم ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں جس دھوپ سے بھاگ کر تہ خانوں اور پردوں میں چھپتے پھرتے ہیں جاڑے کے دنوں میں صبح کو وہی دھوپ کیسی پیاری لگتی ہے۔ پھر بھی دھوپ میں کچھ گرمی باقی رہتی ہے اسی واسطے زمین سے بھاپ کم اُٹھتی ہے۔ اور جاڑوں میں بہت تھوڑا پانی برستا ہے جاڑوں کی برسات کا نام گندہ بہار ہے۔

برسات میں جو غلہ[5] بویا جائے اور جاڑے کی آمد میں کاٹا جائے جیسے جوار، باجرہ،

---

[1] بوند۔ [2] قاعدہ۔ [3] پسینہ۔ [4] تپنا۔ [5] اناج۔

ماش، مونگ، تِل وغیرہ فصلِ خریف یا پیداوارِ خریف کہا جاتا ہے۔ اور جو غلّہ جاڑے میں بوتے اور گرمی کی آمد میں کاٹتے ہیں جیسے گیہوں، چنا، جو، ارہر وغیرہ اُس کو فصلِ ربیع یا پیداوارِ ربیع بولتے ہیں۔ زمین کو جوت کر بیج بوتے ہیں تو غلّہ پیدا ہوتا ہے اس غلّے کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں۔

گرمی اور جاڑے اور برسات کے علاوہ دو موسم اور ہیں خزاں اور بہار۔ خزاں میں درختوں کے پتّے گرتے ہیں، جاڑے کا اخیر ہوتا ہے۔ پھر نئے پتے نرم و سبز نکلتے ہیں۔ پھول کھلتے ہیں تو وہ گرمی کا شروع ہوتا ہے اور جاڑے کی رخصت۔ نہ بہت گرمی نہ بہت سردی۔ موسم معتدل۔ اسی کو بہار کہتے ہیں۔ جاڑے میں جب پانی برستا ہے تو از بس کہ ہوا خوب سرد ہوتی ہے۔ زمین پر گرتے گرتے پانی جم کر اولا بن جاتا ہے۔ بجلی ایک طرح کی گرمی ہے جو بادلوں میں ہوتی ہے۔ اور ایک بادل سے نکل کر زور کے ساتھ دوسرے بادل میں جاتی ہے اور اُس کی روشنی اور کڑک زمین پر ہم لوگ دیکھتے اور سُنتے ہیں۔ کبھی کبھی بجلی زمین پر گرتی ہے تو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ سیاہ رنگ کی چیز اور پیتل اور لوہے پر بجلی گرتی ہے۔ اور ریشم اور شیشے اور نوک دار چیز سے بھاگتی ہے جس مکان کی چھت پر نوک دار سلاخیں گاڑ دی جائیں۔ وہ بجلی سے محفوظ رہے گا۔

اناج کے علاوہ درختوں کے پھل پھول اور جانوروں کا گوشت بھی آدمی کھاتے ہیں بعض میوے بہت مزے کے ہوتے ہیں، انار، سیب، پستہ، کشمش، انگور وغیرہ یہ میوے پہاڑوں کے سرد مقامات میں بہت پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کا میوہ آم ہے۔ اگر اچھا قلمی بمبئی کا ہو تو سب میووں سے بہتر ہوتا ہے۔ خوش[1] ذائقہ، خوش رنگ، خوش بو، عرق پتلا اور میٹھا

---

[1] مزے دار۔

گٹھلی چھوٹی، پوسٹ باریک سبحان اللہ کیا بات ہی! خرپوزہ۔ تربوز بھی مزے دار چیز ہی مگر تربوز کو نقصان کے ڈر سے لوگ کم کھاتے ہیں۔

زمین پر بہت بڑے بڑے ملک آباد ہیں۔ انگریزوں کی ولایت کو انگلستان اور جہاں حج کو جاتے اُس کو عرب اور جہاں فارسی بولی جاتی ہی اُس کو فارس اور عجم کہتے ہیں۔ امریکہ، روم، چین، فرانس، یونان بھی بڑے مشہور ملک ہیں۔ امریکہ کو نئی دُنیا بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ تین یا پونے تین سو برس سے اُس کا ہونا معلوم ہوا ہی۔

ہر ملک میں ایک بادشاہ ہوتا ہی۔ اس ہندوستان میں پہلے ہندو راجہ تھے پھر مسلمانوں نے آکر فتح کیا۔ اور سات سو برس کے قریب تک اہل اسلام اس پر بادشاہت کرتے رہے۔ اب سو برس سے انگریزوں نے اس ملک پر کامل قبضہ کر لیا ہی۔ انگریزوں کا بادشاہ ان دنوں[1] عورت ہی جس کا نام ملکہ وکٹوریہ ہی۔ ان کا شوہر ملک جرمنی کا شاہزادہ تھا۔ اب چند سال سے ملکہ وکٹوریہ بیوہ ہوگئی ہیں۔ بڑا بیٹا البرٹ پرنس آف ویلز ولی عہد ہی ہندوستان میں ملکہ کی طرف سے ایک وزیر رہتا ہی جس کو گورنر جنرل کہتے ہیں اور عام لوگ لاٹ صاحب۔ ملکہ وکٹوریہ انگلستان کے شہر لندن میں رہتی ہیں۔ اس سلطنت میں آرام اور امن بہت ہی۔ اور انگریزوں کی قوم نہایت دانشمند ہی۔ انھوں نے ملک داری کا قانون قاعدہ بہت درست کیا ہی۔ گنگا کی شاخ نہر اور ریل اور تار برقی یہ تین چیزیں بڑے نمود کی انگریزوں کی عملداری میں یہاں جاری ہوئیں۔ اب ہندوستان میں انگریزوں کے سوائے کوئی دوسرا بادشاہ نہیں ہی۔ انگریزوں نے اپنی خوشی سے نواب اور راجہ بنا رکھے ہیں۔ غدر سے پہلے تک لکھنؤ میں واجد علی شاہ اور دلی میں

---

[1] کھال۔ ملکہ وکٹوریہ کے بعد اُن کا بیٹا ایڈورڈ ہفتم بادشاہ ہوا اور اب جارج پنجم ملکہ آنجہانی کا پوتا بادشاہ ہی۔

بہادر شاہ برائے نام بادشاہ تھے۔ واجد علی شاہ نے ناچ رنگ میں نام کی سلطنت غارت کی اور بہادر شاہ نے غدر میں۔ اب کشمیر، پٹیالہ، کپور تھلہ، گوالیار، جودھ پور، اودے پور، جے پور، اندور میں بڑے بڑے راجہ ہیں۔ اور رام پور، ٹونک، حیدرآباد، بھاول پور میں نواب۔ صرف بھوپال میں سکندر بیگم تھیں۔ اب اُن کی بیٹی شاہجہاں بیگم[1] مسند نشینِ حکومت ہیں یہ راجہ اور نواب اور بیگم سب انگریزوں کے زیرِ حکومت ہیں اور خراج دیتے ہیں۔ ہندوستان کے باہر روس، روم، فارس، فرانس، چین میں بڑے بڑے بادشاہ ہیں۔ روس اور فرانس میں بھی انگریزوں کی سلطنت ہے۔ مگر اِن انگریزوں کی نہیں۔

روم اور فارس میں مسلمانوں کی چین میں چینی بادشاہ ہے۔ یہ بادشاہ ایک دوسرے سے لڑا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ سلطان روم اور شاہ فرانس اور ملکۂ انگلستان ایک طرف اور شاہِ روس اور شاہِ ایران دوسری طرف تھے۔ بڑی بھاری لڑائی ہوئی تھی روس نے شکست[2] کھائی۔

ان دونوں بادشاہوں کی لڑائی کا ایک بڑا خوفناک نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ پرشیا[3] کی افواجِ قاہرہ[4] نے شاہ فرانس کو قید کرکے ملک فرانس کو جو آبادی اور ثروت[5] اور تکلیفات زندگی کے ایجاد میں روئے زمین پر اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا یکسر[6] خاک سیاہ کر دیا۔ فاعتبروا یا اُولی الاَبصار[7]۔

کابل میں مسلمان امیر حاکم ہے۔ مگر وہاں کے لوگ آئے دن آپس میں لڑا کرتے ہیں۔

---

[1] شاہجہاں بیگم کے بعد اُن کی بیٹی نواب سلطان جہاں بیگم حکمراں ہوئیں اب اُن کے صاحبزادے نواب حمید اللہ خاں حکمراں ہیں۔ [2] یعنی ہار گیا [3] شاہنشاہِ جرمنی [4] غالب [5] تمول دولت۔ [6] بالکل [7] اے عبرت پکڑو تم آنکھوں والو

روئے زمین پر انگریزوں سے زیادہ کوئی زبردست بادشاہ نہیں ہے۔ روس ان کی ٹکر کا ہے مگر اُس کے پاس اتنا روپیہ نہیں اور ملک اُس کا اُجاڑ ہے۔

خشکی میں جا بجا دریا بہتے ہیں۔ اُن میں سے گنگا، جمنا ہندوستان میں بہت مشہور ہیں اس واسطے کہ ہندو ان کی پرستش[1] کرتے ہیں ورنہ سندھ اور گھاگرا بہت بڑے دریا ہیں پنجاب میں ستلج، بیاس، راوی، چناب، جہلم پانچ دریا ہیں اور پانچوں دریائے سندھ میں مل گئے ہیں۔ گنگا، جمنا الٰہ آباد کے قلعے کے نیچے مل گئی ہیں۔ دریاؤں میں کشتیاں چلتی ہیں اور کہیں دریاؤں پر پُل بنا ہوتا ہے دہلی میں ریل کا پُل بہت عمدہ ہے۔

ہندوستان میں ہزاروں شہر ہیں ان میں دہلی، لاہور، آگرہ، لکھنؤ، بنارس، کلکتہ حیدر آباد، مدراس، بمبئی بڑے مشہور شہر ہیں۔ اب کلکتہ سے بڑھ کر ہندوستان میں کوئی شہر نہیں۔ یہ شہر انگریزی عملداری میں بسا۔ اور چوں کہ گورنر جنرل صاحب کا قیام گاہ ہے اب اس کو دارالخلافہ یا دارالسلطنت کہنا چاہیئے۔ ورنہ پہلے دہلی[2] دارالسلطنت تھی۔ چوں کہ دُنیا کی سب حالتیں بدلتی ہیں شہر بھی کبھی بستے کبھی اُجڑتے ہیں۔ قنوج ایسا گمنام ہے کہ تم اُس کے پاس کو آئے گئے مگر تم نے اس کا نام بھی نہ سُنا ہوگا۔ پہلے بہت بڑا شہر تھا اب گاؤں رہ گیا ہے سو بھی ویران۔ کالپی بھی شہر تھا اب گاؤں سے بدتر ہے کانپور، میرٹھ اور چھاؤنیوں کے مقامات حال میں آباد ہوتے گئے ہیں۔ بعض شہروں میں کوئی چیز نامی اور مشہور بھی ہوتی ہے۔ کشمیر کی زعفران اور دوشالہ اور قلمدان۔ لاہور کے ریشمی ازاربند۔ آگرے میں سنگ تراشی کا کام اور دری۔ دہلی میں سادہ کاری اور مرصع[3] زیور اور جوتی۔ بنارس کا گلبدن اور کمخواب۔ لکھنؤ کا تاش بادلہ اور بدری اور خربوزہ۔ متھرا کی کھرچن۔

---

[1] پوجا۔ [2] ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء سے پھر شہر دہلی ہندوستان کا دارالسلطنت قرار پایا ہے۔ [3] جڑاؤ۔

چھپرامئو کے پیڑے۔ جونپور کا خوشبودار تیل۔ قنوّج اور غازی پور کا گلاب اور چوڑیاں۔ گورکھپور کا اناناس۔ گوالیار کا رنگ۔ مراد آباد کے بھرت کے برتن۔ پیلی بھیت کے چاول۔ شاہجہاں پور کا قند۔ کالپی کا کاغذ اور مصری۔ مئو رانی پور کا گھاروا۔ چندیری کی پگڑی۔ پانی پت کا کمّل۔ ڈہاکے کی ململ۔ گجرات کی تلوار۔ نگینے کی کنگھی۔ امروہہ کے مٹّی کے برتن۔ جہانسی کا کیوڑہ۔ بھیلسے کا تمباکو۔ مہوبے کا پان۔ بریلی کا کُمخت۔ ملتان کی کمان۔ فیض آباد کا صندوقچہ۔

شہروں کے باشندوں میں گفتگو نشست و برخاست[1] کا سلیقہ بہ نسبت دیہاتی آدمیوں کے زیادہ ہوتا ہی۔ شہری لوگ خوش خوراک، خوش پوشاک، نازک، اور تکلف کے پابند ہوتے ہیں اور دیہاتی لوگوں کی وضع سادہ، بے تکلف۔ موٹا کھانا، موٹا کپڑا۔ یہ لوگ محنتی اور جفاکش[3] ہوتے ہیں۔ دُنیا میں لوگ کئی طرح سے اپنی معاش پیدا کرتے ہیں۔ کوئی کاشتکاری[4] کرتا ہی، کوئی نوکری، کوئی سوداگری، کوئی کسی طرح کا پیشہ۔ نوکری میں خدمت گاری سے لیکر بڑے معزز عہدوں تک بہت طرح کے درجے ہیں۔ سوداگری بھی مختلف طرح کی ہی۔ سب سے عمدہ طریقہ معاش حاصل کرنے کا اس زمانے میں سوداگری ہی۔ اُس کے بعد زمینداری اور سب سے کمتر درجے میں پرائی تابعداری جس کو نوکری کہتے ہیں۔ پیشوں میں طبابت[5] سب سے عمدہ ہی

مذاہب

دُنیا کی پیدائش کو سات ہزار برس سے زیادہ گزرے۔ سب سے پہلے آدمی حضرت آدم ؑ تھے جس کو خدا نے خاک سے پیدا کیا۔ وہ بہشت میں رہتے، باغوں میں سیر کرتے اور ہزاروں طرح کے مزے دار میوے کھاتے سلسبیل[6] اور تسنیم جنت کی نہروں کا پانی پیتے جو برف سے زیادہ

---

[1] اُٹھنا بیٹھنا۔ [2] تمیز۔ [3] محنتی۔ [4] کھیتی باڑی [5] حکیمی [6] سلسبیل اور تسنیم دونوں بہشتی نہروں کے نام ہیں۔

سرد، شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید ہے۔

خدا کی حضرت آدمؑ پر بڑی مہربانی تھی۔ تمام فرشتے جو خدا کی درگاہ میں حاضر باش تھے سب حضرت آدمؑ کا ادب کرتے۔ خدا نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ تو بہشت کے میوے کھا اور چین سے بہشت میں سیر کیا کر۔ تجھ کو بہشت میں نہ بیماری ہوگی اور نہ رنج اور نہ تو مرے گا لیکن گیہوں کا دانہ جو بہشت میں ہے اُس کو ہرگز نہ کھانا ورنہ بہشت سے نکال دیا جائے گا۔

آدم جنگل میں اکیلا تھا ہم جنس کے نہونے سے گھبراتا۔ خدا کو آدم کا پاسِ خاطر اتنا منظور تھا کہ اُس کا جی بہلنے کے واسطے ایک عورت کو اُسی کے پہلو سے پیدا کیا جس کا نام حوّا تھا اور وہ پہلی عورت تھی۔ آدمؑ شوہر ہوا اور حوّا اُس کی بی بی بنی۔ دونوں آرام کے ساتھ بہشت میں رہا کرتے تھے۔ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تھا سب فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ تعظیم کرو۔ شیطان فرشتوں کا اُستاد تھا۔ اُس نے انکار کیا اور کہا کہ آدم خاک ناچیز سے پیدا ہوا اور میں چمکتی آگ سے بنا ہوں۔ میں آدم کی تعظیم نہیں کرونگا۔ اسی نافرمانی اور تکبّر سے شیطان پر خدا کی لعنت[1] ہوئی۔ اور جنّت سے نکالا گیا۔

شیطان کو جنّت سے نکلنے کا بڑا رنج تھا اور وہ آدمؑ کا جانی دشمن بنا اور اس فکر میں ہوا کہ کسی طرح آدم بھی بہشت سے نکالا جائے۔ آدم مرد تھا اُس کے قابو میں نہ آیا۔ حوّا عورت، کم عقل کو شیطان نے بہکایا اور گیہوں کا دانہ کھانے پر آمادہ کیا۔ حوّا کے کہنے سے آدمؑ نے بھی گیہوں کھایا۔ اُس سے فضلہ[2] پیدا ہوا اور اُن کو حاجتِ بشری[3] نے ستایا جس طرف کو جاتے بہشت کے درخت کہتے دور ہو۔ اس نجاست کو ہمارے پاس مت لاؤ۔ خدا نے آدم کو اس حال میں دیکھا اور پوچھا کہ آدم تیرا کیا حال ہے۔ آدم نے کہا میں نے گیہوں کھا لیا۔

---

[1] پھٹکار۔ [2] غذا کا پھوک۔ [3] یعنی پیشاب پاخانہ۔

خدا نے کہا دُور ہو میرے سامنے سے اے آدم۔ تو نے میرا حکم نہ مانا اور شیطان کی صلاح اختیار کی۔ نکل جا میرے باغ میں سے میں تیرا مونھ دیکھنا نہیں چاہتا۔

آدمؑ اور حوّا دونوں زمین پر پھینک دیئے گئے۔ مدت تک آدمؑ اپنی خطا پر روتا رہا۔ آخر کو خدا نے رحم کر کے اُس کا قصور معاف کیا۔ لیکن کہا کہ اب تو جنّت میں رہنے کے لائق نہیں ہی۔ زمین پر رہا کر اور زمین پر حکومت کر۔ تیری اولاد اس پر آباد ہو اور اسی کی مٹّی سے اپنا پیٹ پورا کریں۔ اسی میں برکت دوں گا اور زمین تیرے واسطے طرح طرح کے پھل پھول اُگایا کرے گی۔ آدم اور حوّا زمین پر رہنے لگے ان سے اولاد ہونی شروع ہوئی۔ آدم کے جیتے جی اُس کے پوتے پروتے نواسے کنواسے ایک لاکھ کے قریب تھے۔ شام کے ملک میں آدمؑ کی نسل چلی اور جب آدمی زیادہ ہوئے تو اِدھر اُدھر پھیل کر بسنے گئے۔ یہاں تک کہ آدم کی نسل نے تمام زمین کو گھیر لیا۔ سمندر کے ٹاپو اور پہاڑوں کی کھوہ تک میں آدمی بسنے لگے۔ ہم سب اُسی آدمؑ کی نسل میں ہیں۔

ہر چند آدمؑ بہشت سے نکالا گیا تھا اور اُس پر خدا کا غصّہ ہو چکا تھا مگر چونکہ خدا نے اُس کو بنایا تھا اور فرشتوں پر اُس کو بزرگی[1] دی تھی خدا کو آدمؑ کا پاس خاطر پھر بھی ملحوظ[2] رہا۔ اُس کو زمین پر آکر کھانے پینے رہنے اور پہننے کا سامان بہم پہنچانا بڑی مصیبت تھی۔ وہ بالکل ان کاموں سے ناواقف تھا اور ہر بات میں خدا سے ہدایت چاہتا تھا۔ خدا نے آدم سے وعدہ کیا کہ تو میری درگاہ سے نکالا گیا ہی ضرور ہی کہ دُنیا میں بیماری اور رنج کی مصیبت اور آخر کو موت کی سختی تو اور تیری نسل سہے۔ لیکن مرنے کے بعد پھر تم کو جنت مل سکے گی بشرطیکہ میرا حکم مانتے رہو اور نافرمانی اور خونریزی[3] اور بدکاری[4] نہ کرو میں اپنا

---

[1] بڑائی۔ [2] منظور۔ [3] خون بہانا یعنی کسی کو جان سے مارنا۔ [4] بُرے کام کرنا۔

حکم تم پر بھیجتا رہوں گا۔ جو میرے حکم پر چلیں گے ہیں اُن سے خوش رہوں گا اور مرنے کے بعد بہشت میں جگہ دوں گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ دوزخ میں رکھا جائے گا۔ جہاں کھانے کو کانٹے اور پینے کو لہو اور پیپ اور سونے کو دہکتے ہوئے لوہے کی سلیں ہوں گی۔

تھوڑے دن تک خدا آسمان پر ظاہر ہوتا رہا پھر فرشتوں کی معرفت[1] آدمؑ کی نسل پر خدا کا حکم اُترا۔ لیکن نافرمانی جو پہلے آدمؑ نے کی اُس کی خاصیت اُس کی نسل میں بھی ظاہر ہوئی اور قیامت تک ظاہر رہے گی۔ آدم کی اولاد نے خدا کے حکم کو نہ مانا اور آدم کے بیٹے ہابیل نے اپنے بھائی قابیل کو مار ڈالا۔ اور اول مرتبہ زمین کو خونِ ناحق سے ناپاک کیا۔ یہاں تک آدمؑ کی نسل نے سر اُٹھایا کہ خدا نے اُن کے سمجھانے کو پیغمبر[2] بھیجے پیغمبر بھی آدمی تھے لیکن نیک اور خدا کا حکم ماننے والے۔ خدا کو جو حکم دینا منظور ہوتا اِن پیغمبروں کے واسطے سے آدمیوں کو سنایا جاتا تھا۔ پھر بھی آدمؑ کی اولاد نافرمانی سے باز نہ رہی اور خدا سے ہمیشہ سرکشی[3] کرتی رہی جو پیغمبر آتا اُس کو جھٹلاتی اور اُس سے مقابلہ کرتی۔

تب خدا نے پیغمبروں کو معجزے کی طاقت دی یعنی جس کام کے کرنے سے آدمی عاجز ہو وہ کر دکھاتے تھے سیکڑوں برس کے مُردوں کو جِلا اُٹھایا۔ مادر زاد اندھوں[4] کو نورِ بینائی[5] بخش دیا۔ لوے لنگڑوں کو بات کی بات میں توانا اور تندرست کر دیا۔ بہتے ہوئے دریا روک دیئے۔ لات مار کر پتھروں سے نہریں بہا دیں۔ غیب کی خبریں سنائیں۔ غرض ہزاروں طرح کی عجیب باتیں ہوئیں۔ پھر بھی آدمؑ کی اولاد باز نہ آئی۔ کمبختوں نے معجزے کو جادو اور پیغمبروں کو جادوگر بتایا۔ اور پیغمبروں کی جان کے لاگو ہوئے۔

---

[1] ذریعہ واسطہ۔ [2] قاصد پیغام لے جانے والا۔ مگر یہاں مراد ہے وہ شخص جو خدا کا حکم بندوں کو پہنچاتا ہے۔ [3] نافرمانی۔ [4] پیدائشی اندھے یعنی جو ماں کے پیٹ سے اندھے پیدا ہوئے [5] روشنی۔

کسی کو قتل[1] کیا۔ کسی کو پھانسی دی۔ تب خدا نے ان کو سزا دینی شروع کی قحط[2] پڑے۔ وبائیں نازل ہوئیں۔ آسمان سے پتھر برسے۔ زمین کے تختے کے تختے اُلٹ دیئے۔ یہاں تک کہ نوح پیغمبر کے وقت میں سب کو ڈبو دیا کہ زمین اُس ناپاکی سے صاف ہو۔ لیکن آج کے دن تک آدم کی اولاد خدا کا مقابلہ کرتی جاتی ہے اور اُس سے منحرف[3] ہے۔

بعض خدائی کا دعویٰ کر گزرے ہیں اور ایسے تو ہزاروں خدا کے بندے اب بھی ہیں جو خدا کو نہیں مانتے اور ان کی عقلیں اس بات کو جائز رکھتی ہیں کہ دُنیا کا یہ تمام انتظام جس کی بنیاد[4] نہایت دانشمندی اور حکمت پر ہے خود بخود چلا جاتا ہے۔ خدا کو خوب معلوم ہے کہ اُس نے کتنے پیغمبر بھیجے ہیں لیکن اس مقام پر چھ پیغمبروں کا حال مختصر[5] جو زیادہ دلچسپ ہے لکھا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام[6]

حضرت نوح کی عمر بہت بڑی ہوئی۔ ان کے وقت میں آدمی بالکل خدا کو بھول گئے تھے۔ حضرت نوح کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت نوح تمام دن لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے اور ایمان کی راہ دکھاتے۔ برسوں برابر وعظ کہتے رہے مگر لوگوں پر مطلق اثر نہ ہوا۔ بلکہ لوگ نوح کے دشمن ہوتے گئے اور ان کی خدمت میں گستاخیاں[7] کرنے لگے۔ پتھر مارتے اور ان کو برا کہتے۔ اور حضرت نوح خدا کے واسطے یہ تکلیفیں سہتے۔ آخر کار حضرت نوح کو نا اُمیدی ہوئی اور جان سے تنگ آ کر لوگوں کے واسطے بد دعا کی۔ خدا نے نوح سے فرمایا کہ میں اس نافرمان اور سرکش دُنیا کے لوگوں کو ڈبو دوں گا تاکہ زمین پر گناہ باقی نہ رہے۔

---

[1] مار ڈالا۔ [2] کال۔ [3] پھری ہوئی۔ [4] جڑ۔ [5] تھوڑا خلاصہ [6] ان پر سلام۔ [7] بے ادبی۔

صرف اُن لوگوں کو بچاؤں گا جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اور میرا حکم مانتے ہیں۔ یہ فرما کر خدا نے نوح کو حکم دیا کہ تو ایک کشتی تیار کر۔ حضرت نوح نے کشتی بنانی شروع کی۔ اور لوگوں کو بہت سمجھایا کہ دیکھو خدا کا غضب بہت جلد نازل[1] ہونے والا ہی۔ اب بھی تم لوگ ایمان لاؤ تاکہ خدا کا قہر ٹل جائے۔

لوگوں نے نوح کو کشتی بناتے ہوئے دیکھ کر مسخرہ پن شروع کیا۔ کہتے تھے کہ نوح کو جنون ہو گیا ہی۔ یہاں تک کہ کشتی بن چکی اور نزولِ عذاب کا وقت آ پہنچا۔ خدا کے حکم سے نوح نے ایمان والوں کو کشتی میں بٹھا لیا۔ اور ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لیا۔ اس کے بعد موسلا دھار پانی خدا کے حکم سے برسنا شروع ہوا۔ چالیس شبانہ روز برابر غضب کا پانی برسا۔ زمین کے چشمے خدا کے حکم سے اُبل پڑے۔ اونچے پہاڑ سب پانی میں ڈوب گئے اور تمام دُنیا غرقِ آب ہوئی۔ صرف نوح کی کشتی خدا کی مرضی سے بچ گئی۔ حضرت نوح کا بیٹا کافر تھا وہ بھی ڈوب گیا۔ اس واسطے کہ اُس نے باپ کا کہنا نہیں مانا تھا۔ جب تمام دُنیا ڈوب گئی تو پانی تھم گیا۔ اور رفتہ رفتہ[2] جو زمین پر برسا تھا جذب ہوا اور کوہِ جودی[3] پر نوح کی کشتی ٹھیری اور ایمان والے جو عذابِ طوفان سے نوح کی حمایت میں بچ گئے تھے زمین پر بسے اور پھر اُن کی نسل پھیلنی شروع ہوئی۔

چند روز کے بعد لوگ عذابِ طوفان کو بھول گئے اور اس ذکر کو کہانی سمجھنے لگے اور پھر بدکاری ہونے لگی۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ[4]

حضرت ابراہیم سنِ طفولیت[5] سے بڑے ذہین تھے ہر ایک بات کی تہ کو سوچتے اور غور کیا کرتے

---

[1] اُترنے والا۔ [2] آہستہ آہستہ [3] یہ ایک پہاڑ ہی۔ [4] خدا کے دوست۔ یہ خطاب حضرت ابراہیم کا ہی [5] لڑکپن

جب جوان ہوئے تو خدا کا شوق خود بخود اُن کے دل میں پیدا ہوا اُنھوں نے عقل کے زور سے دریافت کیا کہ دُنیا میں کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی۔ مٹی کا آبخورہ تک کمہار بناتا ہی اور لوہے کی ذرا سی کیل بھی لُوہار گھڑتا ہی۔ ابراہیم نے سوچا کہ آسمان اور زمین اور پہاڑ اور رنگ برنگ کے درخت اور جانور اور آدمی بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اور ان سب کا بنانے والا وہی خدا ہی اور وہی پرستش اور عبادت کے قابل ہی۔ اس کو تلاش کرنا چاہیے کہ وہ کون ہی اور کہاں ہی۔

حضرت ابراہیم ایک جنگل میں کھڑے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ اتنے میں بدر یعنی چودھویں رات کا پورا چاند بڑی شان سے طلوع[1] ہوا۔ حضرت ابراہیم کو یہ خیال ہوا کہ یہی خدا ہی۔ پھر چاند غروب[2] ہو گیا اور اُس کی روشنی غروب ہونے کے وقت پھیکی اور ماند ہو گئی تب حضرت ابراہیم نے سوچا کہ اگر یہ خدا ہوتا تو اُس کی حالت میں یہ تغیر[3] واقع نہ ہوتا اسی سوچ میں صبح تک کھڑے رہے اتنے میں آفتاب نکلا اس چمک سے کہ آنکھ سامنے نہیں ہوتی تھی۔ تب حضرت ابراہیم نے کہا ہو نہ ہو خدا یہ ہی اور چاند سے بہت بڑا ہی۔ آخر کو آفتاب بھی ڈھلنے لگا اور اُس کی تیزی اور روشنی بھی کم ہونے لگی۔ تب حضرت ابراہیم نے جانا کہ جو کچھ ہم دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے ہیں خدا نہیں ہی اور خدا کا نور ایسا نہیں ہی کہ ہماری آنکھوں میں سما سکے۔ اور حضرت ابراہیم نے صدقِ دل سے اقرار کیا کہ جس نے چاند اور سورج بنائے وہ خدا ہی جو ہماری آنکھوں میں سمانے سے بری ہی۔

ابراہیم کا اِس طرح کا ایمان خدا کو پسند ہوا۔ اور خدا نے ابراہیم کو پیغمبر گردانا اور ابراہیم نے وعظ اور نصیحت کرنا شروع کیا۔ ہر چند لوگوں کو سمجھایا کسی نے بھی اُن کی بات نہ مانی بلکہ لوگ

---

[1] نکلا۔ [2] ڈوب گیا۔ [3] تبدیلی۔

اُن کے ہلاک کرنے کے درپے[1] ہوئے ایک بہت بڑا انبار[2] لکڑیوں کا جمع کیا اور اُس میں آگ لگائی اور زبردستی ابراہیم کو پکڑ کر بھڑکتی آگ میں ڈال دیا۔ چوں کہ ابراہیم خدا کے دوست تھے خدا نے اس تکلیف کے وقت اُن کی خبر لی۔ اور اپنی قدرت سے آگ کو باغ اور انگاروں کو پھول اور لپیٹ کو نسیم[3] بنا دیا۔ ابراہیم کا یہ معجزہ دیکھ کر بہت لوگ ایمان لائے۔

حضرت ابراہیم کی ایک بات مشہور قابلِ تذکرہ ہی جس سے ثابت ہی کہ ابراہیم بڑے ایماندار آدمی تھے۔ وہ یہ کہ اسمٰعیل اپنے بیٹے کے ساتھ ابراہیم کو بڑی محبّت تھی۔ جیسے کہ تمام دُنیا کے باپوں کو ہوتی ہی۔ اور خدا کا یہ حکم ہی کہ دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ مجھ کو چاہو خدا کو منظور ہوا کہ ابراہیم کا امتحان لوں اور دیکھوں کہ ابراہیم بیٹے کو زیادہ چاہتا ہی کہ مجھ کو۔ اور خدا نے ابراہیم کو خواب میں حکم دیا کہ اسمٰعیل کو میرے واسطے ذبح کر۔

بے شک یہ بڑا سخت امتحان تھا لیکن ابراہیم کا ایمان بڑا پکّا تھا۔ اُنھوں نے صبح اُٹھ اسمٰعیل سے کہا کہ خدا نے حکم دیا ہی کہ میں تجھ کو ذبح کروں۔ اچھوں کے اچھے ہوتے ہیں۔ واہ رے سعادت مند بیٹے! اپنی جان کا کچھ خوف نہ کیا اور فوراً اسمٰعیل رضامند ہو گئے کہ بہت اچھا میں راضی ہوں مجھ کو بے تامل ذبح کیجئے۔ اگر میری جان آپ کے اور خدا کے کام آئے تو اس سے کوئی بات بہتر نہیں ہی۔ ابراہیم نے اپنے پیارے بیٹے اسمعیل کو خدا کے واسطے ذبح کرنے کو الگ پہاڑ پر لے گئے لیکن شفقتِ پدری کے سبب ہاتھ کانپتا تھا پھر بھی دونوں باپ بیٹے خدا کے حکم کی تعمیل پر آمادہ تھے ابراہیم نے اپنی آنکھوں پر پٹّی باندھی اور چاہتے تھے کہ اسمٰعیل کے حلقوم پر چھُرا پھیر دیں۔ خدا کو یہ بندگی بہت پسند آئی اور اسمٰعیل کی جگہ جنت سے دُنبہ بھیج دیا اور وہ اسمٰعیل کی جگہ ذبح ہوا۔ ابراہیم تو سمجھے کہ

---

[1] پیچھے پڑے۔ [2] ڈھیر۔ [3] ٹھنڈی ہوا۔

میں لے بیٹے کا کام تمام کیا۔ لیکن خدا نے ابراہیم کو پکارا کہ اے ابراہیم تو ہمارا سچا بندہ ہے۔ ہم تجھ سے بہت راضی ہیں۔ اے ابراہیم تیری اولاد میں دین اور دُنیا کے بادشاہ ہونگے۔ دین کے بادشاہوں سے پیغمبر مراد ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب کا تذکرہ[1] اس وجہ سے اکثر ہوتا ہے کہ ان کے بیٹے حضرت یوسف کا قصہ بہت مشہور ہے۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف سب میں چھوٹے اور سب میں بلکہ تمام دُنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت۔ حضرت یعقوب اُن کو بہت پیار کرتے تھے اس سے دوسرے بھائیوں کو حسد ہوتا تھا جس کی مذمت[2] ہم نے اوپر لکھی ہے۔ یہاں تک کہ بھائیوں کے حسد کو ترقی ہوئی کہ حضرت یعقوب کو دھوکا دے کر سیر و شکار کے حیلے سے یوسف کو لے جا کر جنگل کے کوئے میں ڈال دیا۔ اور حضرت یعقوب سے اطلاع کی کہ یوسف کو ہماری بے خبری میں بھیڑیا کھا گیا۔ اور قمیض خون آلودہ[3] حضرت کو دکھایا حضرت یعقوب کو بڑا صدمہ یوسف کی مفارقت[4] کا ہوا۔ روتے روتے اندھے ہوگئے۔ لیکن مظلوم کا حامی[5] ہمیشہ خدا ہوتا ہے۔ یوسف کو خدا نے کوئے میں بچا لیا۔ اتفاقاً اُدھر سے سوداگروں کا کوئی قافلہ[6] جاتا تھا اُن کو پانی کی ضرورت ہوئی۔ لوگ اسی کوئے میں پانی لینے آئے۔ حضرت یوسف ایک ڈول میں بیٹھ لئے۔ قافلے والے ان کو پاکر بہت خوش ہوئے۔ اور امیر قافلہ نے ان کو لیا اور اپنے دل میں کہا۔ ایسا خوبصورت لڑکا کون یہاں ڈال گیا؟ اُن دنوں بردہ فروشی[7] کا رواج تھا۔ امیر قافلہ نے سوچا کہ اس کو کسی بادشاہ کے ہاتھ بیچوں گا تو ہزاروں روپئے ملیں گے

---

[1] ذکر، بیان۔ [2] بُرائی۔ [3] لتھڑا ہوا۔ [4] جدائی۔ [5] مددگار۔ [6] مسافروں کا گروہ۔ [7] غلاموں کا بیچنا۔

چنانچہ مصر میں لے جا بادشاہ مصر کے ہاتھ یوسف کو بیچ ڈالا یوسف کی صورت اور سیرت[۱] دونوں اچھی تھیں۔ بادشاہ اُن کو بہت پیار کرتا تھا۔ اُس کی عورت زلیخا یوسف پر عاشق ہوئی۔ مگر حضرت یوسف پیغمبر زادے اور خود پیغمبر تھے۔ مالک کی امانت[۲] میں خیانت[۳] اور دست اندازی کو حرام سمجھے۔ یہاں تک کہ زلیخا نے تہمتِ ناحق لگا کر یوسف کو قید بھی کیا۔ مگر آپ نے یہ تکلیف پسند فرمائی۔ اور خلاف حکمِ خدا کے مرتکب[۴] نہ ہوئے۔

خواب کی تعبیر[۵] میں حضرت یوسف کو بڑی مہارت اور استعداد تھی۔ یوسف قید میں تھے کہ شاہ مصر نے ایک عجیب خواب دیکھا اور کوئی شخص اُس کی تعبیر نہ دے سکا۔ بادشاہ کے دربار میں آخر اس کا تذکرہ ہوا کہ وہ غلام یوسف جو قید میں ہے اس کی تعبیر دے سکتا ہے۔ یوسف قید خانے سے طلب ہوئے اور خواب کی معقول تعبیر بیان کی۔ اور اسی تقریب میں اپنی بے جرمی بادشاہ اور دربار والوں پر ثابت کر گئے قید سے رہائی[۶] پائی۔ بادشاہ مصر نے بڑے معزز عہدے پر یوسف کو مقرر کر دیا۔ ان دنوں شام کے تمام ملک میں سخت قحط تھا۔ مصر میں یوسف کے حُسنِ تدبیر سے غلّہ ارزاں[۷] تھا۔ دُور دُور سے لوگ مصر میں غلّہ خریدنے کو آتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو بھیجا کہ اب یہاں کھانا نہیں ملتا تم لوگ مصر میں جاؤ اور غلّہ لاؤ۔ یہاں یوسف نے اُن کو پہچان لیا۔ لیکن بھائیوں کو تو یہ یقین تھا کہ اتنی مدت کی بات ہے یوسف کہیں مر کھپ گیا ہوگا۔ یہ لوگ یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔ آخر کار یوسف نے اپنے تئیں ظاہر کیا۔ اور سب پتے بتائے تب یہ لوگ بہت نادم[۸] ہوئے لیکن یوسف کیسے بڑے حوصلے کے آدمی تھے کہ انتقام[۹] کا تو کیا مذکور اُنھوں نے بھائیوں سے اُن کی کج ادائی[۱۰] کا

---

[۱] خصلت [۲] آبرو۔ عزت۔ [۳] چوری [۴] پسند نہ کیا۔ [۵] خواب کی حقیقت بتلانا۔ [۶] چھٹکارا [۷] سستا۔ [۸] شرمندہ۔ [۹] بدلا۔ [۱۰] بدسلوکی۔

شکوہ تک نہ کیا۔ اور باوجودیکہ بھائیوں نے نہایت درجہ کی بدسلوکی کی تھی۔ پھر بھی یوسف کو اُن کا حال دیکھ کر نہایت تاسف[1] ہوا۔ اور حضرت یعقوب اور اپنے بھائیوں اور اُن کے بال بچّوں کو اپنے پاس بُلایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام بڑے نمود کے نبی ہیں۔ کافروں کے ساتھ ان کو بڑے معرکے[2] پیش آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں جا بسی تھی اور مصر میں یعقوب علیہ السلام کی نسل بہت ہو گئی تھی۔ یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل بھی تھا۔ اس واسطے اولادِ یعقوب علیہ السلام بنی اسرائیل کہلائی۔ ان وقتوں کے پٹھان اپنے تئیں بنی اسرائیل کہتے ہیں اور یہودی لوگ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں مصر باشندے[3] بنی اسرائیل کی رُشد و رسائی[4] پر حسد کرتے تھے کہ یہ لوگ غیر مُلک کے ہمارے یہاں صاحب اختیار ہو گئے ہیں اور بعد یوسف علیہ السلام کے مصریوں نے بنی اسرائیل سے لڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ کا مزاج برگشتہ[5] کر دیا۔ اور حاکمِ وقت درپے ایذائے بنی اسرائیل ہوا۔ نہ اُن کو چھوڑتا تھا کہ اپنے مُلک کو چلے جائیں اور نہ اپنے مُلک میں عزت و آرام سے رہنے دیتا تھا۔ ان سے غلامی کراتا تھا۔ بنی اسرائیل کی عورتیں چکّی بیگار میں پیسا کرتیں تھیں، مرد لکڑی ڈھوتے اور اُپلے پاتھا کرتے تھے، اور بڑے بڑے ظلم بنی اسرائیل پر مصری اور بادشاہ مصر کیا کرتے۔ ظلم خدا کو ہمیشہ سے ناپسند ہے اور خدا ہمیشہ مظلوم کا حامی اور مددگار ہوتا ہے۔ خدا نے

---

[1] افسوس۔ [2] لڑائیاں۔ [3] رہنے والے۔ [4] بادشاہ کے ساتھ نزدیکی۔

[5] پھر ہوا۔ بدلا ہوا۔

بنی اسرائیل کی فریاد کو مہربانی سے سنا اور بنی اسرائیل سے کہا کہ گھبراؤ مت۔ میں تم کو بہت جلد اس عذاب سے نجات دوں گا۔

ان دنوں جادو اور نجوم[1] کا بڑا چرچا تھا۔ نجومیوں اور جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ اب تیری سلطنت کا زوال[2] ہونے والا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوا چاہتا ہے جو تجھ کو ہلاک اور تیری سلطنت کو غارت[3] کرے گا۔ فرعون نے عام حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو فوراً مار ڈالا جائے۔ ہزاروں بے گناہ بچوں کا خون ہوا۔ لیکن خدا کا ارادہ کس کے روکے رکتا ہے۔ اسی شورش[4] میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بڑا خوف ہوا کہ بس اب کوئی دم میں فرعون کے سپاہی اس کو آکر مار ڈالیں گے۔ خدا نے حکم دیا کہ اے عورت تو ڈر مت۔ تیرے بچے کا میں محافظ[5] ہوں۔ یہی فرعون اُس کو پالے گا اور فرعون کو اسی بچے کے ہاتھوں سے ہلاک کروں گا۔ تو اس کو صندوق میں بند کر اور میرا نام لے کر دریائے نیل میں ڈال دے اور میری قدرت کا تماشہ دیکھ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بموجب حکمِ خدا کے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ بسم اللہ[6] کرکے دریا میں ڈال دیا۔ صندوق بہتے بہتے نہر کی دھار میں پڑ گیا جو دریائے نیل سے نکل کر فرعون کے محل میں جاتی تھی۔ وہاں فرعون کی عورت آسیہ لبِ نہر بیٹھی تھی۔ صندوق کو دیکھ کر پکڑوا لیا۔ دیکھا تو بچہ ہے۔ خدا نے آسیہ کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی۔ آسیہ بڑی خدا پرست[7] تھی۔ اور فرعون کم بخت خود خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور فرعون کے کچھ اولاد نہ تھی۔ آسیہ موسیٰ علیہ السلام کو

---

[1] یہ ایک علم ہے جس میں ستاروں کے حساب سے دُنیا کے آیندہ واقعات اور لوگوں کی قسمتوں کو دریافت کیا جاتا ہے۔ [2] اُتار گھٹاؤ۔ [3] برباد۔ [4] شور و غل [5] نگہبان۔ [6] خدا کا نام لے کر [7] خدا کے پوجنے والے۔

فرعون کے پاس لے گئی کہ یہ بچہ میں نے نہر سے پایا۔ اس کو بیٹا بناؤں گی۔ کیسا پیارا بچہ ہے، ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے بھی کہا اچھا لیکن ایسا نہ ہو یہ کسی بنی اسرائیل کا بچہ ہو۔ آسیہ نے کہا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کے تو حمل تک گروا دیئے جاتے ہیں یہ بنی اسرائیل کا بچہ نہیں ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے واسطے دایہ تلاش ہوئی شہر کی ہزاروں عورتیں بلائی گئیں موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ فرعون نے کہا دیکھو بنی اسرائیل میں سے کوئی دودھ والی عورت بلاؤ شاید اُس کا دودھ پیئے۔ آخر کار جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ آئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اُن کا دودھ پیا اور یوں خدا نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو خدا نے فرمایا میں نے تجھ کو کسی دوسرے کام کے واسطے پرورش کرایا ہے۔ فرعون خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور تمام لوگوں کو گمراہ کرتا ہے بنی اسرائیل کو ناحق کے عذاب دیتا ہے۔ تو اُس کو سمجھا اور تو آج سے میرا پیغمبر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے خدا میں نے فرعون کا نمک کھایا۔ اُس نے مجھ کو پالا۔ پرورش کیا۔ وہ میری بات کو کیا قبول کرے گا۔ دوسرے میری زبان میں لکنت[۱] ہے۔ بادشاہی درباروں میں لسّان[۲] اور گویا آدمی چاہیئے جو لچھے دار تقریر سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر[۳] کرے۔ خدا نے فرمایا میں تجھ کو معجزے دوں گا۔ تیرا ہاتھ آفتاب سے زیادہ چمکے گا۔ تیری لاٹھی جو تو چاہے گا کرے گی۔ اور جو تو چاہے گا بنے گی۔ لکنت کا عذر معقول ہے۔ سو تیرا بڑا بھائی ہارون بڑا گویا[۴] ہے۔ اُس کو ساتھ لے اور جا کر جس طرح ہو سکے فرعون کو سمجھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ خدا کا نام سُن کر فرعون کے کان کھڑے ہوئے کہا۔

---

[۱] ہکلانا۔ [۲] بہت بولنے والا۔ [۳] قابو میں لائے۔ [۴] باتونی۔ بولنے والا۔

میرے سوائے کوئی دوسرا بھی خدا ہی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو خدا نہیں ہی۔ خدا وہ ہی جس نے زمین، آسمان، چاند، سورج اور تمام دُنیا کو پیدا کیا۔ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہی فرعون نے کہا کہ اے نمک حرام۔ تو اپنی حالت کو بھول گیا۔ کل کی بات ہی کہ تو میرے گھر ٹکڑے کھاتا تھا۔ آج مجھ سے مقابلہ کرنے آیا ہی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا سچ ہی پرورش کا احسان جو تو نے مجھ پر کیا میں اس کو مانتا ہوں لیکن تجھ سے بڑا مالک خدا ہی۔ میں اُس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور نہ تجھ کو خدا مان سکتا ہوں۔ اور میں تجھ کو اے فرعون سمجھاتا ہوں کہ تو دعویٰ خدائی اور بنی اسرائیل کی ایذادہی سے باز آ۔ ورنہ تو جان پچھتائے گا۔ فرعون نے کہا کیوں کر معلوم ہو کہ تجھ کو خدا نے بھیجا۔ اس دعویٰ کی تو کیا دلیل رکھتا ہی؟ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ دکھایا جس کی روشنی سے تمام حاضرینِ دربار کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ لکڑی کو کہا کہ اژدہا بن اور وہ اژدہا بن گئی۔ فرعون نے کہا کہ تو خدا کا بھیجا ہوا تو نہیں ہی مگر تو کہیں سے بڑا جادو سیکھ آیا ہی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے مردود[1]۔ تجھ پر خدا کی مار۔ تو قدرتِ خدا کی نشانیوں کو جادو کہتا ہی۔ اگر یہ جادو ہی تو آخر اس کا کہیں توڑ بھی ہوگا۔ بڑے سے بڑا جادو بھی دُنیا میں ایسا نہیں ہی کہ اُس کا اُتار نہ ہو۔ فرعون نے کہا کہ اچھا چند روز صبر کر میں ملک کے جادوگروں کو جمع کروں اُن سے تیرا مقابلہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا خیر اس کا مضائقہ نہیں۔ فرعون نے تمام ملک مصر میں منادی[2] کی کہ موسیٰ ایک بڑا بھاری جادو سیکھ آیا ہی اور اُسی جادو کے بل سے ہماری خدائی کا قائل نہیں ہوتا۔ اور ہماری سلطنت خراب کرنے کے درپے ہی۔ جو کوئی جادو میں اُستاد ہو اور موسیٰ کو مغلوب[3] کرے اُس کو منصب[4] و جاگیر ملے گا۔ یہ سن کر جادوگر جوق[5] جوق مین اور تو بنیاں لے کر دوڑے اور

[1] راندۂ درگاہ۔ [2] ڈھنڈورا پٹوایا۔ [3] عاجز۔ [4] عہدہ۔ [5] گروہ گروہ۔

یہ قرار پایا کہ تہوار کے دن خلقت کا ہجوم[1] ہوتا ہے اسی مجمع میں جادوگروں کا اکھاڑا ہو۔

روزِ مقرر پر سب لوگ جمع ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ تم اپنا جادو کر چلو۔ جادوگروں نے ایسی نظربندی کی کہ چہار[2] طرف سانپ بن گئے۔ موسیٰ علیہ السلام ڈرے کہ دیکھیے ان کالوں سے کیوں کر جان بچے۔ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا کہ اے موسیٰ تو ڈرتا ہے۔ خبردار دل کو مضبوط رکھ۔ اپنی لاٹھی کو حکم دے کہ اژدہا بن کر ان سپولیوں کو نگل جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا[3] نے اژدہا بن کر سپولیوں کو نگل لیا اور پھر لاٹھی کی لاٹھی بن گئی۔ جادوگر تو یہ قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے کہا موسیٰ تم نے جادوگروں کو ملا لیا۔ اور اب میں تیرے خدا سے لڑوں گا اگر وہ مجھ کو ہرا دے گا تو خیر جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔

فرعون لڑائی کا سامان کرنے لگا اور خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تو سب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل۔ موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت بنی اسرائیل کے مرد عورت اور بچے لے کر مصر سے نکلے۔ صبح کو فرعون نے سُنا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کو نکال لے گیا فرعون اپنا لشکر ان کے پیچھے لے چلا۔ موسیٰ علیہ السلام مع ساتھیوں کے دریائے نیل پر پہنچے تھے کہ فرعون نے جا لیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام گھبرائے کہ اب کیا کریں۔ پیچھے دشمن اور آگے دریا بس اب سب مرے۔ خدا نے فرمایا موسیٰ گھبرا مت۔ وہی لاٹھی دریا پر مار دے کہ پانی پھٹ جائے موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی دریا پر ماری اور پانی پھٹ گیا۔ بنی اسرائیل آگے بڑھے فرعون بھی پیچھا دبائے چلا آتا تھا۔ بنی اسرائیل آگے بڑھے۔ فرعون اور اُس کا لشکر بیچ دریا میں آیا۔ پانی مل گیا سب کے سب ڈوب کر رہ گئے۔

---

[1] بھیڑ۔ [2] چاروں طرف۔ [3] لاٹھی۔

قارون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں قارون ایک بڑا دولت مند[1] تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کے خزانوں کی کُنجیاں اونٹوں کی بڑی لمبی قطار پر لادی جاتی تھیں۔ اس دولت پر دل کا نہایت تنگ۔ بنی اسرائیل تو مصریوں کے ہاتھ سے مبتلائے مصیبت تھے۔ نہ آبرو اور آمدنی کی نوکری پا سکتے تھے نہ کوئی عمدہ پیشہ اختیار کر سکتے تھے۔ ان کی مصیبتوں پر زمین و آسمان روتے تھے۔ مگر قارون اس طرح کا بے رحم سنگدل تھا کہ اس کو کبھی ترس نہ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا کہ خدا نے تجھ کو یہ نعمت دی ہے تجھ پر ہم جنسوں[2] کی دستگیری[3] لازم ہے۔ کیوں کر تجھ سے ہو سکتا ہے کہ تو الوانِ[4] نعمت کھائے اور بنی اسرائیل کے معصوم بچّے فاقوں مریں؟ کیوں کر تیرا دل گوارا کرتا ہے کہ تو لباسِ فاخرہ پہنے اور بنی اسرائیل سردی میں اکڑیں؟ تو بھی ان ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ یہ لوگ کوڑی کوڑی کو محتاج ہیں اور تو بے انتہا دولت کا مالک بنا بیٹھا ہے۔ کیا تجھ کو خدا کی بے نیازی اور زمانے کے انقلاب[5] سے کبھی خوف نہیں آتا کہ دم کے دم میں بادشاہ سے بھیک منگوا دے اور ایک پل میں غریب کو امیرِ کبیر[6] بنا دے؟ تو خدا کے احسان کا کیا شکر ادا کرتا ہے؟ نہ کسی بھوکے کو کھلاتا ہے اور نہ کسی ننگے کا تن بدن ڈھانکتا ہے۔ لیکن قارون کو دولت کی محبّت ایسی چمٹ گئی تھی کہ وہ دینے دلانے کے نام سے بھاگتا تھا۔ بنی اسرائیل کے دل قارون کی دولت دیکھ کر بے طرح للچاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو بھی سمجھاتے تھے کہ جس دولت میں خیر نہیں وہ آفت ہے اور جس مال میں زکوٰۃ[7] نہیں وہ وبال[8] ہے۔

---

[1] امیر۔ [2] یہاں مراد ہیں کُل آدمی۔ [3] ہاتھ پکڑنا یعنی مدد کرنا۔ [4] جمع لون بمعنی رنگ برنگ یعنی طرح طرح کی نعمت۔ [5] اُلٹ پلٹ۔ [6] بڑا۔ [7] جو شرع کی رو سے چالیسواں حصہ مال کا خدا کے نام پر دیا جاتا ہے۔ [8] بلا آفت۔

خدا دولت دے تو اُس کے ساتھ خیر خیرات کی توفیق بھی دے۔ خدا نے جس کو جتنا دیا ہو اُس سے اُسی قدر کا مواخذہ[1] ہو گا۔ دنیا کی دولت ہرگز قدر کرنے کے لائق نہیں۔ کس کی شامت ہی کہ عاقبت کا محاسبہ[2] اپنے سر پر لے اور جوابدہی میں پڑے اور قارون کو تم لوگ کچھ آسودہ حال جانتے ہو گے میں تو اُس کو مبتلائے آفت سمجھتا ہوں۔ اور تم دیکھ لینا اس کا کیا انجام ہوتا ہی۔ یہ کہنا تھا اور خدا کی قدرت کہ قارون اور اُس کا گنج[3] و دولت سب کچھ خود زمین میں ایسا دھنس گیا کہ پتہ نہ لگا۔

مذہب کے ضروری احکام

یقین جانو اور دل سے اقرار کرو کہ خدا ایک ہی جس نے زمین آسمان اور تمام دنیا کو پیدا کیا۔ وہی مارتا اور پیدا کرتا۔ اور وہی جلاتا ہی اُس کو فنا نہیں۔ وہ ہمیشہ سے زندہ موجود ہی۔ اگلی پچھلی کوئی بات اس سے مخفی[4] نہیں۔ وہ دلوں کے ارادے اور منصوبے سب جانتا ہی ہر جگہ ہی۔ سب کی سُنتا اور سب کو دیکھتا ہی۔ بے اُس کے رحم کے پناہ نہیں اور اُس کے قہر کی پناہ نہیں۔ وہ سب کو پالتا اور روزی دیتا ہی۔ دُنیا میں کوئی امر[5] بے اُس کی مرضی اور اجازت کے نہیں ہوتا۔ اُسی کے حکم سے پانی برستا ہی۔ اُسی کے حکم سے ہوا چلتی ہی۔ فرشتے اور آدمی اور جنات اور حیوانات سب اُس کے اختیار میں ہیں چاند سورج اُس کے حکم سے گھومتے اور گردش[6] کرتے ہیں۔ وہ پاک ہی کوئی عیب اور نقصان اُس کی ذات میں نہیں۔ وہ اپنی ذات سے موجود ہی سدا سے ہی اور سدا رہے گا۔ اُس کے سوائے کسی کو بقا[7] نہیں۔ دُنیا کا سب کھٹراگ جو تم دیکھتے ہو ایک دن مٹ جائے گا۔ ظلم اور فساد اور بدکاری اور خودبینی تکبر

[1] باز پرس۔ [2] حساب۔ [3] خزانہ۔ [4] چھپی۔ [5] کام۔ [6] پھرتے۔ [7] قیام۔

اکڑ کر چلنا، لڑنا، جھوٹ بولنا، پرائے مال پر نظر کرنا، چوری، فریب، دغابازی اُس کو ناپسند ہی۔ عاجزی صلح کاری اور بھلائی سے خوش ہوتا ہی۔ مرنا برحق ہی ہر ایک آدمی کی حیات خدا نے مقرر کر دی ہی۔ کوئی اپنی موت سے پہلے مر نہیں سکتا۔ اور موت آئے پیچھے بچ نہیں سکتا۔ قیامت کا ہونا برحق ہی جبکہ زمین اور آسمان اور تمام دُنیا نیست[1] و نابود ہو جائے گی۔ اگلے پچھلوں کا حساب و کتاب ہوگا۔ جس نے اچھے کام کیئے وہ بہشت میں جائے گا اور جس نے خدا کی نافرمانی کی وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

خدا نے فرمایا ہی کہ ماں باپ کا ادب کرو، مصیبت زدوں پر رحم، اور محتاجوں کی مدد، اور غریبوں کی دستگیری، کسی کو ہاتھ اور زبان سے آزار[2] مت پہنچاؤ۔ اپنی تمام ہمت نفع[3] رسانی خلائق پر مصروف رکھو ہمسائے کے ناموس کو اپنی ناموس اور اُس کے درد دُکھ کو اپنا دُکھ درد جانو۔ ایک دن مرجانا ہی۔ سوائے عمل کے کچھ ساتھ نہ جائے گا۔ مال و متاع[4]، زن[5] و فرزند۔ ماں باپ بھائی بہن، باغ و مکان، نوکر چاکر سب جیتے جی کے تعلقات ہیں۔ دُنیا میں ایسی طرح رہو جیسے سرائے میں مسافر۔ بہت مال جمع کرنے کی فکر عبث[6] ہی۔ دنیا میں دل مت لگاؤ۔ یہ دُنیا ضرور ایک دن چھوڑنی پڑے گی۔ زندگی کا اعتماد[7] نہیں۔ ہزاروں آفتیں اس زندگی پر ہیں آئے دن وبا اور بیماری کا خوف ہی۔ پس ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے نہیں معلوم کس دن کس وقت آپہنچے۔ دُنیا میں اگر آرام کا سامان ہی تو اس چند روزہ آرام پر پھولنا نہیں چاہیئے۔ اور اگر تکلیف کا سامنا ہی تو اس چند روزہ رنج پر بیقرار ہونا نہیں چاہیئے مذہب کے اعتبار سے اگر نظر کی جائے تو تمام دُنیا خدا اور خدا کے حکموں سے غافل ہی۔ ہم لوگ دُنیا میں ایسا سامان جمع کرتے ہیں

---

[1] یعنی مٹ جائے گی۔ [2] دُکھ تکلیف۔ [3] فائدہ پہنچانا۔ [4] پونجی۔ [5] عورت۔ [6] بے کار۔ [7] بھروسہ۔

کہ گویا ہمیشہ دُنیا ہی میں رہیں گے۔ ہمارا تمام رات دن دُنیا کی فکر میں گزرتا ہے اور کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ ہم دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوں اور عاقبت کا خیال کریں۔ موت سے زیادہ ہم کو نصیحت کرنے والا نہیں ملے گا۔ ہر روز دیکھتے ہیں کہ بادشاہ، عالم، عقلمند، فقیر، دولتمند، لڑکے، جوان، بڈّھے مرتے چلے جاتے ہیں اور کس بلا کی غفلت ہے کہ ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد مال اولاد دوست آشنا کسی سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ پس دُنیا کے تعلقات جیتے جی کے تعلقات ہیں۔ اور پھر ہم اپنی عمر انہی تعلقاتِ چند روزہ میں ضائع کرتے ہیں آدم علیہ السلام کی اولاد خدا کی نافرمانی میں اپنے پہلے باپ آدم علیہ السلام سے بہت زیادہ ہے۔ آدم علیہ السلام نے صرف ایک حکم خدا کا نہ مانا اور جنّت سے نکالے گئے۔ اور ہم ہر روز خدا کے صدہا حکم نہیں مانتے اور افسوس ہے کہ نہ جنّت کی طمع[1] رکھتے اور نہ دوزخ سے ڈرتے۔ آدم علیہ السلام کی نسل نے برائے نام خدا کی طرف توجہ کی بھی تو اپنی خواہشوں کو دخل دیا۔ جو حکم اپنے مطلب کا سمجھا مانا اور جو حکم خلافِ خواہش ہوا اُس سے انحراف کیا۔

اس طور پر شروع سے مذہب کا اختلاف پیدا ہوا اور آدم علیہ السلام کی نسل کے ساتھ اختلافِ[2] مذہب بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ ایسے ہزاروں مذہب دُنیا میں ہیں بلکہ شاید ہر شخص اپنا خاص مذہب اور خاص عقیدہ رکھتا ہے۔ ہر ایک مذہب والا دوسرے مذہب کو ناحق اور غلط جانتا ہے اور اُس کے ماننے والوں کو کافر اور دوزخی کہتا ہے۔ لوگوں نے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں کہ دُنیا میں ایک مذہب رہے لیکن برخلاف اُس کوشش کے اختلافِ مذہب روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اگر دُنیا کے تمام مذہبوں کی تشریح اور اُن کے عقائد کی توضیح کی جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ عام اور مشہور مذہب جو ہندوستان میں ہیں پانچ ہیں ہندو،

[1] لالچ۔ [2] جدائی۔ علیحدگی۔

مسلمان، عیسائی، یہودی، گبر یعنی آتش پرست دُنیا کے معاملات میں مذہب کو کسی طرح کا دخل نہیں دینا چاہیئے۔ ہر مذہب میں ہر ایک طرح کے آدمی ملیں گے۔ پس صرف اختلافِ مذہب کے سبب کسی کو ناپاک یا بے عزّت، دغا باز یا بد دیانت سمجھنا بڑی غلطی ہی اپنے اپنے مذہب کی ہر ایک کو پچ ہوتی ہی۔ اس پچ کو دُنیا میں تعصب کہتے ہیں جس کے سبب ہمیشہ تعصب والے لوگ آپس میں لڑا کرتے ہیں مذہب کو زبان سے بُرا مت کہو اور نہ کسی مذہب کی بزرگ چیز کو بے عزّت کرو۔ مذہب کا معاملہ آدمی اور خدا میں ہی جس کا جو مذہب ہی وہ خدا سے خاص طرح کا معاملہ رکھتا ہی۔ ہم کو اُس کے معاملے میں دخل دینا ضرور نہیں۔ بڑی فکر تو یہ ہی کہ ہم اپنا معاملہ خدا کے ساتھ درست کریں۔ مذہب کی بحث، مذہب کی گفتگو مذہب کی چھیڑ چھاڑ ہرگز ہرگز مت کرو۔ اس کا انجام ہمیشہ رنج اور فساد ہوتا ہی۔ مذہب کی تکرار سخت درجے کی بُرائی ہی۔ ہمیشہ اس میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے انگریز لوگ عیسائی ہیں۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت ہیں گبر یعنی آتش پرست اس طرف نہیں ہیں۔ مگر بمبئی کی طرف پارسی لوگ لکھ پتی اور کروڑ پتی ہزاروں اس مذہب کے ہیں۔ یہ لوگ آگ کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ آتش خانوں[1] میں آگ کو روشن رکھتے ہیں ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں یا کسی دریا میں بہا دیتے ہیں عیسائی اور یہود اور مسلمان زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ گبر لوگ گھرے ہوئے احاطے میں بے دفن کئے رکھ دیتے ہیں۔ جانور مُردوں کا گوشت کھا لیتے ہیں۔ ہڈیاں پڑی رہ جاتی ہیں جب احاطے میں بہت ہڈیاں جمع ہو جاتی ہیں تو باہر پھکوا دیتے ہیں اس طور پر آدمی کی شیخی اور بڑائی کا انجام ہوتا ہی کہ قبر میں اُس کا بدن کیڑے کھاتے یا آگ میں جل کر خاک ہوتا یا دریائی جانور اُس کا گوشت

---

[1] آگ کی بھٹی۔

نوچتے یا کوّے اور گدھ اُس کی بوٹیاں توڑتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

یوں تو اپنی اپنی جگہ سبھی پیغمبر کوئی نہ کوئی معجزہ رکھتے تھے اور معجزہ نہ رکھتے تو اُن کو پیغمبر مانتا ہی کون۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے معجزوں کے علاوہ خود معجزہ[1] مجسّم[2] تھے۔ یعنی شروع دنیا میں خدا نے سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام کو بدون باپ اور ماں کے پیدا کیا تھا اب اُس نے اپنی قدرت کا کرشمہ[3] اس طرح پر دکھایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ کے پیدا کیا۔ اُنھوں نے اندھوں سے کہا کہ دیکھنے لگو اور وہ دیکھنے لگے۔ لنگڑے لولوں کو حکم دیا کہ چلو پھرو اور وہ چلنے پھرنے لگے۔ مُردوں سے فرمایا کہ جی اُٹھو اور وہ جی اُٹھے۔ لیکن آدمی اس طرح کا ضدّی مخلوق ہی کہ اپنی ضد پر آئے تو آنکھوں دیکھی بات کو جھٹلائے۔ انجام یہ ہوا کہ یہودیوں نے اُن کو اپنے پندار[4] میں سولی دے دی مگر بات یہ تھی کہ خدا نے اُن کو اپنے پاس بُلا لیا اور یہودیوں کو دُھوکا ہوا۔ جتنی قسم کے انگریز ہیں سب اُنہی کی اُمّت ہیں۔ اور ان ہی کے نام پر عیسائی کہلاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُنیا میں تھوڑے دن رہے یعنی کوئی تیتیس برس کی عمر تک لیکن جتنے دن رہے درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے نہ جورو کی نہ رہنے کو گھر بنایا۔ عیسائی ان کی تعظیم میں یہاں تک مبالغہ[5] کرتے ہیں کہ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ مگر یہ بات کچھ سمجھ میں آنے کی نہیں۔ وہ دوسرے آدمیوں کی طرح ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے دوسرے آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے تھے اور دوسرے آدمیوں کی طرح عاجز اور بے اختیار اور یہی بندہ ہونے کی شناخت ہی۔ اور یوں بیر[6] من خس است اعتقاد من بس است"

---

[1] سر سے پیر تک۔ [2] جلوہ ظہور۔ [3] خیال۔ [4] بڑائی کرنا۔ [5] زیادتی کسی چیز کی تعریف حد سے بڑھا دینا۔ [6] اگرچہ

کا تو کچھ جواب نہیں۔ لیکن ہندوؤں کو کس مونھ سے مشرک[1] اور بت پرست[2] کہو گے؟ دین مذہب کی تو کہی نہیں جاتی مگر دنیا کے اعتقاد سے تو حضرت عیسیٰ کی اُمّت کو آج ایسا عروج[3] ہے کہ گویا تمام روئے زمین پر سلطنت کر رہی ہے اور سلطنت بھی کر رہی ہے تو لیاقت اور ہنرمندی کے بل پر۔ بے شک ہم مسلمانوں اور انگریزوں میں مذہبی اختلاف تو ہے مگر نہ اتنا کہ ہم میں اور ہندوؤں میں۔ لیکن آخر ہم ہندوؤں میں رہتے، اُن سے ملتے جلتے اور اُن کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں تو انگریزوں کے ساتھ بدرجۂ اَولیٰ[4] ہم کو دنیاوی ارتباط[5] رکھنا چاہیے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔ کیوں کہ دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بَیر نبھ نہیں سکتا اور ہم کو مفلس اور محتاج اور لوگوں کی نظروں میں خوار و ذلیل کر کے نبھا بھی تو کیا نبھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم[6]

یہ ہم مسلمانوں کے پیغمبر ہیں اور ہم لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان پر پیغمبری کا خاتمہ ہو گیا یعنی اب تاقیامت کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ اُن کی دو بیبیاں تھیں ایک کا نام سارہ جن کے بیٹے حضرت اسحاقؑ علیہ السلام تھے۔ دوسری کا نام ہاجرہ اُن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ دو سوکنوں[7] کی جیسا کہ دستور ہے ایک دوسری سے بنتی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ اور اسحٰق کو تو اپنے وطن ملکِ شام میں چھوڑا اور ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو ملکِ عرب کے شہر مکّہ میں لا بسایا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وعدہ تھا کہ اُن کی نسل میں دُنیا اور دین کے بادشاہ ہوں گے۔

---

[1] خدا کی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک کرنے والا۔ [2] بُت پوجنے والا۔ [3] بلندی عزت ترقی۔ [4] بہتر۔ [5] میل جول۔ [6] اُن پر خدا کی رحمت اور سلام۔ [7] پورب میں سَوت کہتے ہیں یعنی ایک میاں کی دو سری بیوی۔

اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل جو عرب میں پھیلی اُن کے حق میں وہ وعدہ یوں پورا ہوا کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں آنحضرتؐ[1] پیغمبر اور آخر کار دُنیا کے بادشاہ بھی ہوئے۔

ماں کے پیٹ میں تھے کہ آپ کے والد عبد اللہ، اور ہنوز دودھ پیتے تھے کہ آپ کی والدہ آمنہ نے انتقال[2] فرمایا۔ یتیم[3] رہ جانے کی وجہ سے دادا عبد المطلب نے ان کو اپنے کنارِ عاطفت[4] میں لیا۔ جب اُن کا سایہ بھی سر پر سے اُٹھ گیا تو چچا ابوطالب مدد کرتے رہے۔ طبیعت ہی خدا نے کچھ اس طرح کی دی تھی کہ بچپن میں بھی کسی قسم کی بیہودگی آپ سے سرزد نہیں ہوئی نہ لڑکوں میں کھیلتے، نہ بے تمیزی کے ساتھ ہنستے، نہ جھوٹ بولتے، نہ کوئی فحش[5] کلمہ زبان سے نکالتے، نہ لڑتے نہ جھگڑتے، نہ بزرگوں کی نافرمانی کرتے۔ عمر کے ساتھ نیکی اور بُردباری اور ہمدردی اور فائدہ رسانی اور خدا ترسی کی عادتیں ترقی پکڑتی گئیں[6] یہاں تک کہ راستی اور دیانتداری اور معاملہ فہمی[7] میں ضربُ المثل ہو گئے۔

خدیجۃ الکبریٰ ایک بڑی مالدار بی بی تھیں مگر از بسکہ بیوہ اور لاولد تھیں کارندوں کے ذریعہ سے تجارت کیا کرتی تھیں۔ اُنھوں نے آنحضرتؐ کی عقل و دیانت کی بہت کچھ تعریف سُنی تھی آپ کو قافلہ سالار بنا کر شام[8] کی طرف روانہ کیا۔ اُن کی ہوشیاری اور دیانت داری کی وجہ سے تجارت میں عظیم فائدہ ہوا۔ فائدہ کے علاوہ قافلہ والوں نے جو حالات سفر میں دیکھے تھے بیان کئے۔ خدیجۃ الکبریٰ کے دل میں عقیدت پیدا ہوئی اور آخر کار اُنھوں نے خود درخواست کر کے آنحضرتؐ کے ساتھ اپنا نکاح پڑھوا لیا۔ اُس وقت آنحضرتؐ کی عمر پچیس اور بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی چالیس برس کی تھی۔ عمر کے اس درجے میں آنحضرتؐ کا یہ حال تھا کہ مکہ کے باہر شہر سے ذرا

---

[1] مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] جگہ بدلنا مراد ہے مر جانا [3] جس کا لڑکپن میں باپ مر جائے [4] مہربانی

فاصلہ پر غار حرا[1] میں اکیلے شبانہ روز مصروف عبادت الٰہی رہتے اور مہینے سوا مہینے میں کبھی گھر بھی آنکلتے۔ شدہ شدہ[2] یہ نوبت پہنچی کہ درخت اور پتھر آپ کو سلام کرنے لگے اور فرشتے دکھائی دینے لگے۔ پیغمبر صاحب یہ کیفیت دیکھ کر ڈرے اور بی بی خدیجہ سے سب حقیقت بیان کی۔ اُس وقت آنحضرت کو یہ شبہ گذرا کہ کہیں مجھ کو خلل دماغ تو نہیں ہوگیا کہ میں نئی نئی آوازیں سُنتا اور عجیب عجیب شکلیں دیکھتا ہوں۔ بی بی خدیجہ نے آنحضرت کی تشفّی[3] کی اور کہا کہ تم بیواؤں اور یتیموں پر رحم کرتے ہو، غریبوں کے دستگیر ہو، حاجت مندوں کے مددگار، ممکن نہیں کہ خدا تم جیسے نیک بندے کو ضائع ہونے دے۔ چلو میں تم کو اپنے بھائی نوفل کے بیٹے ورقہ پاس لے چلوں۔ وہ آسمانی کتابیں پڑھا کرتا ہے۔ وہ ضرور تمھاری اس مشکل کو حل کرے گا۔ ورقہ نے سب حال سُن کر کہا کہ کتابوں میں مدّتوں سے ایک پیغمبر کی پیشین گوئی[4] چلی آتی ہے۔ عجب نہیں کہ وہ پیغمبر تم ہی ہو اور وہ فرشتہ جو تم کو دکھائی دیتا اور تم سے کلام کرتا ہے جبرئیلؑ ہے جو سدا سے پیغمبروں کے پاس وحی یعنی حکمِ خدا لاتا رہا ہے اور جب وہ وقت آئے کہ تم اپنی پیغمبری کا اشتہار دو اگر جیتا رہا تو میں ضرور تمھارا ساتھ دوں گا۔

بات یہ ہے کہ جس زمانے میں آنحضرت کو پیغمبری ہوئی خدا کے بارے میں لوگوں کے خیالات بہت ہی خراب ہو گئے تھے۔ اکثر تو بتوں کو یا دوسری دوسری چیزوں کو پوجتے تھے اور جو خدا کو مانتے تھے وہ بھی اُس کی ذات یا صفات کی نسبت بڑی بڑی غلطیاں کرتے تھے خاص کر عرب کا سب سے بدتر حال تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جو مکّہ میں ایک سچّے خدا کی مسجد بنائی تھی اور جو بیت اللہ[5] اور خانہ کعبہ کے نام سے مشہور ہے اور جس کی طرف منہ کر کے

---

[1] ایک غار کا نام ہے۔ [2] رفتہ رفتہ۔ [3] دلاسا۔ [4] جو بات ابھی ہوئی نہ ہو اُس کی خبر پہلے سے کر دینا۔ [5] خدا کا گھر مراد ہے خانہ کعبہ۔

مسلمان نماز پڑھتے ہیں کمبختوں نے سیکڑوں بُت لاکھڑے کیے اور خدا کے بدلے انہی کی
پرستش ہونے لگی۔ فرشتوں کو سمجھتے تھے کہ خدا کی بیٹیاں ہیں بعض کا یہ عقیدہ تھا
کہ بس جو کچھ ہے یہی دُنیا ہی ہے قیامت[1] اور عاقبت اور جنت[2] اور دوزخ کوئی چیز نہیں عقیدہ سے
بدتر عمل اور عمل سے بدتر عقیدے۔ غرض مذہب کی عام تباہی پکار رہی تھی کہ خدا کسی
پیغمبر کو بھیجے تو ان خرابیوں کی صلاح[3] کرے۔ چنانچہ خدا نے آنحضرت کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا
اور انھوں نے خدائے واحد[4] کی طرف اُس کے بندوں کو بلایا اور شرک اور بُت پرستی کی
گندگی سے زمین کو پاک کرنا چاہا۔ لوگ دشمنی کرنے اور ایذائیں دینے لگے۔ گیارہ بارہ برس تک
تو پیغمبر صاحب نے صبر کیا۔ جب اُن کے قتل[5] کی صلاح ٹھیری تو آپ چھپ کر مدینے چلے آئے
اسی کا نام ہجرت[6] ہے اور اسی سے مسلمانوں میں ہجری سنہ چلا۔

عداوت تو ٹھن ہی چکی تھی اور وجہ عداوت میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی تھی یعنی
پیغمبر صاحب برابر اس کوشش میں لگے تھے کہ خدا کا سچا دین پھیلے اور پیغمبر صاحب کے
وعظ کرنے اور سمجھانے سے لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے تھے۔ آخر کار مخالف[7] مار کٹائی پر
اُتر پڑے۔ ناچار مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لیے لڑنا پڑا جس کا نام جہاد ہے۔ لڑائیوں کا
انجام یہ ہوا کہ خدا کا بول بالا رہا۔ اور دین کے ساتھ دُنیا کی سلطنت بھی قائم ہو چلی۔
پیغمبر صاحب کی زندگی میں قریب قریب تمام جزیرہ[8] عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔
پیغمبر صاحب کی وفات[9] کے بعد تو اُن کے جانشینوں[10] نے روم و فارس دُنیا کی دو بڑی

۱ جس دن مُردے جی اُٹھیں گے اور اُس روز تمام بندوں کا حساب کتاب ہوگا۔ ۲ بہشت۔ ۳ درستی۔
۴ اکیلا۔ ۵ مار ڈالنا۔ ۶ وطن چھوڑ کر دوسری جگہ جا بسنا۔ ۷ دشمن ۸ ٹاپو جو چاروں طرف
پانی سے گھرا ہوا اور بیچ میں زمین۔ ۹ مرنا۔ ۱۰ قائم مقام۔

سلطنتوں کو مغلوب کر کے اسلام کی ایسی زبردست سلطنت قائم کی کہ ابھی تک اُس کی یادگار باقی ہے۔ یہ ایسا بڑا وسیع[1] مضمون ہے کہ اس پر جلدیں کی جلدیں لکھی جا سکتی ہیں۔ مگر میں تم کو پیغمبر صاحب کی چند باتیں سُنانی چاہتا ہوں تاکہ تم کو معلوم ہو کہ وہ کیسے بزرگ شخص تھے۔ اُنھوں نے جیسی جیسی تکلیفیں دینِ اسلام کے قائم کرنے اور رواج دینے میں برداشت کیں اُنہی کا کام تھا۔ ورنہ کوئی بندۂ بشر[2] ایسی مصیبتوں میں ثابت قدم[3] نہیں رہ سکتا اُن کو کافروں نے ہر طرح کے دنیاوی لالچ دیئے۔ ڈرایا، دھمکایا، گالیاں دیں، مارا، اُن کا کھانا پانی بند کیا، دیس نکالا دیا کہ مذہبی چھیڑ چھاڑ موقوف کریں مگر چوں کہ وہ سچّے پیغمبر تھے۔ اُن کو اپنے فرضِ پیغمبری کے ادا کرنے سے کوئی چیز روک سکی۔ کافر ملاعنے عداوت کے راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے کہ صبح سویرے نماز کے لیے خانۂ کعبہ میں آتے ہیں پاؤں میں چُبھیں۔ ایک روز آپ حرمِ کعبہ میں مصروفِ نماز تھے۔ ایک کافر نے اونٹ کی اوجھڑی گردنِ مبارک پر لا کر ڈال دی۔ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو کسی طرح معلوم ہوا۔ اُنھوں نے وہ بوجھ جا کر اُتارا۔ ایک بیہودہ بے تمیز نے ہاتا پائی کرتے کرتے گلے میں چادر ڈال اُس کو زور سے اینٹھا کہ حضرت ابوبکر[4] اتفاق سے عین وقت پر پہنچ کر نہ چھڑائیں تو خدا جانے دشمنوں کا کیا سے کیا ہو جاتے۔ جب کافر اپنی سب تدبیریں کر چکے تو آخر یہ قرار پایا کہ یہ شخص ہمارے دیوتاؤں اور بُتوں اور بزرگوں کی توہین[5] سے باز نہیں آتا اور آدمی ہے جتھے اور کنبے کا۔ کوئی اس کو مار ڈالنا چاہے تو گو اُس کے رشتہ دار بھی مذہبی مخالفت کی وجہ سے اس سے ناخوش ہیں

[1] کشادہ۔ [2] آدمی۔ [3] یعنی ٹھیر نہیں سکتا۔ [4] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اول۔
[5] حقیر کرنا ذلیل کرنا۔

مگر اپنے عزیز کے خون پر تو خاک ڈالنے والے نہیں. بہتر ہو کہ کئی قبیلوں کے آدمی ایک ساتھ رات کے وقت گھر میں کود کر اکیلے سوتے پر حملہ کر کے مار ڈالیں۔ اس کے رشتے دار چار و ناچار[1] خوں بہا[2] لینا قبول کریں گے۔ اس کا ادا کرنا اس سے تو آسان ہو کہ ہمارے مذہب کی بیخ کنی[3] کی جائے۔

خدا نے آنحضرت کو اس منصوبے[4] کی خبر دی۔ اور آپ اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کو جو بعد کو حضرت فاطمہ کے ساتھ بیاہ کر کے آپ کے داماد بھی ہوئے اپنی جگہ سلا حضرت ابو بکر کو جو شروع سے آپ کے جاں نثار مریدوں[5] میں تھے ساتھ لے مکے سے نکل پاس کے پاس غار ثور[6] میں جا چھپے۔ دشمن وقت پر آئے دیکھا تو شکار ہاتھ سے جا چکا تھا۔ اور پیغمبر صاحب کے بستر پر حضرت علیؓ پڑے سوتے تھے اسی وقت چاروں طرف آدمی تعاقب[7] اور جستجو[8] میں روانہ ہوئے۔ کیا خدا کی قدرت ہو کہ بعض غار ثور کے منھ پر بھی جا پہنچے ان کے بولنے چالنے کی آہٹ پا کر ابو بکر کے تو ہوش خطا ہوئے[9] اور لگے گھبرانے مگر پیغمبر صاحب کو اس وقت بھی خدا پر بھروسہ تھا اور جہاں ان کے سچے پیغمبر ہونے کی اور چند در چند دلیلیں ہیں ایک دلیل یہ بھی ہو کہ ان کی پیغمبری بناوٹ کی ہوتی تو ایسے نازک وقت میں اضطراب ظاہر ہوتا۔ غرض پیغمبر صاحب نے حضرت ابو بکر کی تشفی کی اور پھر موقع پا کر غار سے نکلے اور رستہ کتراتے ہوئے مدینے جا پہنچے۔

پیغمبر صاحب نے سلطنت اسلام کے قائم کرنے میں حد سے زیادہ کوشش کی

---

۱ بدرجۂ مجبوری ۲ خون کا تاوان یعنی بدلا۔ ۳ جڑ کھودنا۔ ۴ تدبیر۔ ۵ معتقد۔ ۶ پہاڑ میں ایک کھوہ ہو اور عربی میں ثور بیل کو کہتے ہیں ۷ دبے ہونا پیچھا کرنا ۸ تلاش۔ ڈھونڈھنا ۹ بیقراری۔

اور آخر کار اُس کو قائم کرکے چھوڑا۔ مگر سلطنت سے اُن کو شیخی یا حکومت یا ذاتی آسائش[1] مقصود نہ تھی۔ اُن کا صرف یہ مطلب تھا کہ تمام روے زمین پر ایک سچّے خدا کی پرستش کی جائے اور لوگ امن اور صلح کاری سے زندگی بسر کریں اور لڑائی اور جھگڑا اور ظلم و فساد موقوف ہو۔ اُن کا اپنا حال یہ تھا کہ نہایت سادہ اور بے تکلف اور متواضع[2] اور پر رہتے تھے۔ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنے میں اُن کو عار نہ تھا۔ کپڑے میں پیوند کی ضرورت ہوتی تو اپنے ہاتھ سے لگا لیتے۔ جوتی ٹوٹ جاتی تو آپ درست کر لیتے۔ ساری عمر جَو کے بے چھنے آٹے کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ اکثر ایسا ہوا کہ پیغمبرؐ کے گھر میں چراغ تک نہیں جلا اس لئے کہ تیل نہ تھا۔ اور مصیبت مند زندگی کچھ مفلسی اور ناداری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ آپ کا مزاج اس درجے کا سخی واقع ہوا تھا کہ اگر ان کو اشرفیوں کے ڈھیر پر بٹھا دیا جاتا تو جب تک ایک ایک کرکے بانٹ نہ دیتے اُن کو چین نہ پڑتا۔ وہ اپنی ضرورتوں کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔ تواضع اس قدر تھی کہ لوگوں کو اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے تک کی اجازت نہ دیتے۔ حضرت انسؓ آپ کے خادم تھے اُن کا بیان ہے کہ میں نو برس کی عمر سے پیغمبر صاحب کی خدمت میں رہا۔ نو عمری کی وجہ سے مجھ سے اکثر قصور ہوتے رہتے تھے۔ آپ کسی کام کو فرماتے اور میں کھیل میں لگ جاتا یا چیزوں کا نقصان کرتا۔ آپ نے کبھی مجھ کو ملامت نہیں کی کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا۔ گھر میں جو کچھ پکتا آپ خوش دلی کے ساتھ کھا لیتے۔ نہ بھاتا تو کم کھاتے مگر کھانے کو کبھی برا نہیں بتایا۔ آپ کی ساری زندگی اسی ایک دھن میں گزر گئی کہ کسی طرح دینِ اسلام کی

---

[1] آرام۔ [2] مسکین طور پر۔

ترقی ہو اور اسی مصلحت سے آپ نے خدیجۃ الکبریٰ کے بعد انتقال کے کئی نکاح بھی کیے حضرت کی بیبیوں میں تین بیبیاں سر برآوردہ تھیں۔ اول حضرت خدیجۃ الکبریٰ جن کا تھوڑا سا حال تم اوپر پڑھ چکے ہو پیغمبر صاحب کی نسل حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضؓ سے چلی۔ اور جو لوگ سادات[1] کہلاتے ہیں اُن ہی کی اولاد ہیں محرم میں جو حسن حسین کا ماتم کیا جاتا ہے۔ دونوں بزرگ پیغمبر صاحب کے نواسے اور حضرت علی کے فرزند تھے۔

دوسرے جانشینِ پیغمبر حضرت ابوبکر کی بیٹی عائشہ رضؓ۔ پیغمبر صاحب کی بیبیوں میں یہی ایک بی بی تھیں جن کا پہلا نکاح پیغمبر صاحب کے ساتھ ہوا تیسری حضرت عمر خلیفۂ دوم کی بیٹی حفصہ رضؓ۔

پیغمبر صاحب اس طرح کا عمدہ اور آسان دین سکھلا گئے ہیں کہ اگر مسلمان ٹھیک ٹھیک اُس پر چلے جائیں تو اُن کو دُنیا میں بھی عروج ہو اور عاقبت میں بھی خدا اُن سے راضی اور خوش رہے مگر مسلمانوں کے دین میں ضعف[2] اور عقائد[3] میں تزلزل[4] آگیا ہے سو دُنیا میں تو ان کی قوم روز بروز کمزور اور مفلس ہوتی چلی جاتی ہے (ع) عاقبت کی خبر خدا جانے۔

[1] جمع سیّد لغوی معنی سردار۔ مراد خاندان اہلبیت سے ہے [2] کمزوری۔ [3] جمع عقیدے کی یعنی مذہبی خیال۔ [4] ڈانوا ڈول ہونا۔

ALLAMA IQBAL LIBRARY
34382

تمت بالخیر